لینن

مصنف : ولادی میر مایاکوفسکی

مترجم : ستمن سرحدی

منظوم

مصنف

ولادی میر مایاکوفسکی

مترجم

سمن سرحدی

اس نظم نے میرے دل و دماغ پر گہری
چھاپ چھوڑی ہے کیوں کہ میرا یقین ہے
کہ دنیا بھر کی عوامی تحریکوں اور مزدور طبقہ
کی رہنمائی کے لیے اس کی افادیت اور مقصدیت
بیّن ثبوت ہے۔

——— سمّن سرحدی

پیغام

"مایاکوفسکی سوویت یونین کا سب سے بڑا انقلابی شاعر ہے اور اس کی نظم "لینن" ایک عظیم رزمیہ ہے۔ اس کی نظم کے ترجمے دنیا کی بے شمار زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ سمن سرحدی نے اس کا منظوم ترجمہ اُردو میں کیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا کام ہے۔ اصل نظم کے حُسن اور عظمت کا کچھ حصہ بھی نظم میں منتقل ہوا ہو تو یہ ایک مسرت کا مقام ہے۔

میں سمن سرحدی کو اس کام پر مبارک باد دیتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ شوق سے پڑھا جائے گا۔"

دستخط

اندر کمار گجرال

(سوویت یونین میں ہندوستان کے سفیر اعلیٰ)

"اس نظم کے کہنے سے پیشتر میں نے کبھی اپنے
تعارف کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن اس نظم
کے کہنے میں مَیں نے بڑی کاوش کی ہے۔"

——— ولادی میر مایا کوفسکی

پیش لفظ

یہ منظوم اُردو ترجمہ میری دوسری کاوش ہے جس کے محرّک کامریڈ گرادوف ہیں، جو قبل ازیں نئی دہلی میں سوویت روس کے تجارتی نمائندے تھے۔ جب میں نے انہیں اپنی پہلی تصنیف "بچوّں کی دنیا" (منظوم روسی ادب) کی چند جلدیں پیش کیں تو انہوں نے میری کاوش کو خوب سراہا اور یہ بھی تجویز کیا کہ کلاسیکی ادب کی بجائے میں لینن کے بارے میں کوئی ترجمہ پیش کروں۔

مذکورہ تصنیف "بچوں کی دنیا" میں الکسانڈر پُشکن، سرگئی مخالکوف اور کورنی چوکوفسکی کی بچوّں سے متعلق نظموں کا منظوم ترجمہ پیش کیا گیا تھا۔ اس تصنیف پر خاکسار کو ہند سرکار کی وزارت تعلیم نے ایک ہزار روپیہ کا انعام اور ادبی خدمات کے اعتراف میں سند عطا فرمائی تھی.

ولادی میر مایاکوفسکی کی اس طویل نظم (لینن) کا انگریزی ترجمہ پروگریس پبلشرز ماسکو نے جناب ڈورین روٹن برگ سے کرواکر شائع کیا تھا۔ خاکسار نے اسی انگریزی ترجمے کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

شمن سرحدی

قدرت کو تغیّر کی ادا ہے منظور
اِک حال میں رہنے کا نہیں ہے دستور
بگڑے ہوئے حالات سنور جائیں گے
وہ وقت مرے دوست نہیں ہے اب دُور

—— سمنؔ سرحدی

یہی ہے وہ ساعتِ مبارک
سناؤں لینن کی داستاں میں

سبب نہیں یہ
کہ سیلِ غم اس کی موت کا اب
سمٹ گیا ہے
سبب تو یہ ہے کہ زہرِ غم کا
بہت زیادہ ہی بڑھ گیا ہے
دلوں میں نشتر اتر گیا ہے!

ہو تیز رفتارِ وقت اب تُو
کہ گونجیں لینن کے نعرے ہر سُو
کسی بھی مشکل کا سامنا ہو
نہ بہنے پائیں ہمارے آنسو!

نہیں ہے کوئی جہاں میں ایسا
سوائے لینن کی شخصیت کے
کہ جس نے پایا ہو نام اتنا
کیا ہو دنیا میں کام اتنا
ہماری قوّت، ہماری دانش
یہی تو ہتھیار ہیں ہمارے
کہ جن پہ ہے اعتماد اپنا!

عوام تو ایسی کشتیاں ہیں
زمین پر جو رُکی ہوئی ہیں
جو اب بھی مجبورِ زندگی ہیں
جو اب بھی مقہورِ زندگی ہیں

یہ ریگ زاروں کا کوڑا کرکٹ

یہ سنگ ریزوں کی سب غلاظت
لپٹ گئی اپنی کشتیوں سے
چمٹ گئی اپنی کشتیوں سے
مگر یہ طوفان جب رُکے گا
جب آدمی کو سکوں ملے گا
اٹھاکے پھینکے گا گندگی کو
نئی فضاؤں کو جنم دے گا!

حضورِ لینن کہوں گا میں بھی
مدد کہ ہو دُور یہ غلاظت
نظر نہ آئے یہ کوڑا کرکٹ
مدد کہ میرا بھی بوجھ کم ہو
وہ راہِ نَو ہو میرے سفر کی
جو راہِ نَو انقلاب کی ہے!

قصیدہ گوئی و مدح خوانی سے
مجھ کو لگتا ہے خوف ایسے
کہ طفلِ نَوخیز ڈر رہا ہو
فریب و مکر و ریا سے جیسے

سنے گا کون ایسی داستانیں
یہ دردِ سر کون مول لے گا
ہو جس سے مجروح فکرِ انساں
مجھے تو نفرت ہے ایسے فن سے
یہ کھوکھلے پن کی شاعری ہے
یہ عقل پر ڈال دے گی پردہ
نہ دیکھ پاؤ گے اک جھلک بھی
عظیم لینن کی شخصیت کی!

روایتوں کا بھی ڈر ہے مجھ کو
کہ یادگاریں، جلوس، جلسے
(خراجِ تحسیں کا یہ دکھاوا)
مبادا نظر سے کر دے اوجھل
عظیم لینن کی سادگی کو!

مگر یہ سرِ دار جھول کر بھی
مجھے یہ کہنے میں ڈر نہیں ہے
"کہوں گا جو کچھ میں سچ کہوں گا"
عظیم لینن کی عظمتوں پر

نہ جھوٹ کا داغ لگنے دوں گا

میرا یہ دل مجھ سے ہے مخاطب
کہ شعر کہنا ہے فرض تیرا
سمجھ کے فرضِ عزیز اپنا
عظیم لینن کا تذکرہ ہو!

یہ ماسکو کی زمینِ اقدس
شدید جاڑے سے جم گئی ہے
مگر ہیں جذبات اس میں پنہاں
کہ جن کی گرمی سے کانپتی ہے!

شکار سردی کا جو ہوئے ہیں
گھروں میں وہ آگ تاپتے ہیں
کہاں سے آیا تھا کون تھا وہ؟
سوال حیرت سے کر رہے ہیں!
کہ موت کے وقت جس نے پائی
کمال شہرت، کمال عزّت!

ہے دل میں یادوں کا ایک دفتر
مگر طوالت سے فائدہ کیا؟
میں کہتے کہتے نہ کہہ سکوں گا
وہ سُنتے سُنتے نہ سن سکیں گے!

بقدرِ حاجت کہاں سے لاؤں؟
مناسب الفاظ کا خزانہ
زباں کا دامانِ تنگ اُدھر ہے
اِدھر حقیقت بھرا فسانہ!

حیاتِ فانی ہے چند روزہ
یہ روز و شب بھی گذشتنی ہیں
مآلِ عمرِ رواں نہ پوچھو
اجل سے ہرگز مفر نہیں ہے!

مگر اب آیا ہے وقت نازک
گذر چکا ہے وہ عہدِ زریں
جسے نہ کوئی بھلا سکے گا
رہے گا جو یاد تا قیامت!

تمام دن ہم کریں مشقت
جو دن کو جاگیں تو شب کو سوئیں
شکم پڑی اپنا مشغلہ ہے
جہاں میں آئے نہ آئے جیسے
ہمارا جینا بھی کیا ہے جینا!

مگر مبارک ہے ذات اس کی
کہ ہے مقدّس حیات اس کی
جو دوسروں کے لیے جیا ہے
وہ جس سے دنیا کو فائدہ ہے
تو ایسی ہستی کو ہم کہیں گے
کہ وہ ہے کوئی عظیم انساں
وہ کوئی "دانا" ہے یا "پیمبر"

یہ مطلب و مدعا کا جینا
ہوس کا، حرص و ہوا کا جینا
یہی تو ہے غایتِ تمنّا
کہ اپنی بیوی کو رکھ سکیں خوش!

مگر ہو اے کاش کوئی ایسا
ہمارے لوگوں میں پھر سے پیدا
کہ روح و دل جس کے ہوں منوّر
ہو جس کے چہرے کے گرد ہالہ

کہ جیسے ہو نور کا فرشتہ
گلے میں کنٹھی ہو تاج سر پر
سجاوٹیں جس پہ ہوں نچھاور!

سمجھ میں آئے نہ اپنی کچھ بھی
عبارت ایسی ہے ثبت کوئی
نقوشِ روشن بھی دھندلے دھندلے
دھوئیں کی مانند ہلکے پھلکے!

نہ ہم ہیں جاہل، نہ ہم ہیں عاقل
نکالیں معنی تو نکالیں!
یہ ہے عبارت کا خالی ڈھانچہ
کہ جیسے ہوتے ہیں خالی انڈے
نہ جن میں زردی، نہ ہو سفیدی!

عظیم لینن کی شخصیت کو
ہم اس کسوٹی پہ کیسے پرکھیں؟
جب اپنی آنکھوں کا فیصلہ ہے
کہ ذات ہے بے مثال اس کی!

ہے کس قدر اس کا "عہدِ زرّیں"
یہ صاف منزل بتا رہی ہے
صدا بھی راہوں سے آ رہی ہے

کہیں بھی کوئی نہیں رُکاوٹ!
تھی عام وضع کی اس کی جیکٹ

مگر وہ کردار کا دھنی تھا
وہ قول و گفتار کا دھنی تھا
نہیں ضروری کہ قوم اس کو
دھرم کے ناتے سے ملنے رہبر!

اگر وہ ہوتا کوئی شہنشہ
وہ نور کا ہوتا گر فرشتہ
تو میں وطن کی گلی گلی میں
عوام کو اپنے ساتھ لے کر
عَلم بغاوت کا تھام لیتا!
جلوس، جلسوں، مظاہروں کی
ہر ایک طاقت سے کام لیتا!
شہنشہی کے خلاف کھل کر
میں اہتمام جہاد کرتا!
یقیں ہے مجھ کو میں کچلا جاتا!
مگر میرے نالہ و فغاں سے
فضا کریملن کی کانپ اٹھتی!
اور آمریت بھی ہانپ اٹھتی!
میں تلخ تر کفر کی زباں میں
اسی سے استعفیٰ مانگ لیتا!

(مگر یہ مرگِ عظیم انساں!)

ذرا جنازے کے ساتھ دیکھو
خموش زرژِ لنسکیؔ ہے آیا
نہیں ہے پہرے کی آج حاجت
ہوئی ہیں بے نور لاکھوں آنکھیں!
اثر تیری مرگِ ناگہاں کا
کہ مردنی سب پہ چھا رہی ہے!

ہر ایک دل آج غم زدہ ہے
کہ آج وہ دفن ہو رہا ہے
وجودِ خاکی، عظیم پیکر
جو ایک حصہ تھا سر زمیں کا
ادا کیا حق زمیں کا جس نے
وہ مردِ کامل وسیع مشرب
جو فطرتاً کم نظر نہیں تھا
کہ جیسے ہوتے ہیں لوگ اکثر!

مگر تغیّر کے عہد میں بھی
نگاہ لینن کی دُور رس تھی
جو ہفت افلاک سے گزر کر
بلندیوں پر لگی ہوئی تھی!

وہ اس کی پیشانیٔ درخشاں
بلند مینارِ نور جیسے
وہ اس کی محرومِ خواب آنکھیں
وہ محوِ تحقیق اس کی آنکھیں
کہ جن سے اک عہدِ نو کی دھن میں
برس رہا ہو شعور جیسے!

گُھٹے گُھٹے سے وہ ہونٹ اس کے
کہ جیسے فولاد کے تراشے
کسی بھی بے داد حکمراں کی
مگر یہ سختیٔ لب نہیں تھی
مآلِ قہر و غضب نہیں تھی
کہ جوشِ ظلم و ستم گری میں
کسی کے اوپر وہ رتھ چڑھا دے
کچل کے رکھ دے وہ رتھ کے نیچے
غریب مظلوم آدمی کو!

وہ دشمنوں کے لیے تھا خنجر
وہ پھول تھا دوستوں کی خاطر!
ہمارے جیسا وہ عام انساں
مریض بھی تھا، طبیب بھی تھا!
تھی عام کمزوریاں بھی اس میں
جو ہم میں، تم میں، ہر ایک میں ہیں!

اسے بھی مرغوب تھے وہی سب
جو عام انساں کے مشغلے تھے
مجھے بھی بلیرڈ پسند جیسے
اسے بھی شطرنج کی للک ہے
یہ رہنماؤں کا کھیل اکثر
وہ جن سے کرتے ہیں استفادہ
صفِ مخالف کو مات دے کر
وہ فتح پاتے ہیں دشمنوں پر
کہ ساری چالوں سے باخبر ہیں
ہر ایک مہرہ ہے ان کے بس میں
وہ شاہِ شطرنج ہے کہ پیادہ!

یہ کام لینن نے کر دکھایا
کہ شغلِ شطرنج ترک کر کے
وہ جنگِ طبقات چھیڑ ڈالی
کہ جس کے مزدور منتظر تھے!

غریب محنت کشوں کا رہبر
کسانوں اور مفلسوں کا رہبر
عوام کا رہنما تھا لینن
کہ جس نے دولت کے مالکوں کی
تمام قوت کھدیڑ ڈالی!

حرام دولت کے قصر و ایواں
تمام مسمار کر کے چھوڑے!
عوام، مفلس، کسان مزدور
اس نے بیدار کر کے چھوڑے!

امیر محرومِ جاہ و حشمت
عوام کے ہاتھ میں حکومت!
عظیم لینن نے کر دکھایا
غریب مفلس کا راج آیا!

ہمارے اس اصول کے سانچے
مگر نہیں اس سے کوئی رشتہ
میں پھر بھی جانِ عزیز اپنی
خوشی سے اس پہ نثار کر دوں
جو ایک پل کے لیے دوبارہ
عظیم لینن کو کر دے زندہ!

مگر میری ایک جان کیا ہے
کہ اک میری جانِ ناتواں بھی
کہاں ہے اوروں کی جاں سے بہتر
کہ اَن گنت اور بھی ہیں جانیں!

یہ کارخانوں کے کارکن ہیں

یہ معدنوں کے ہیں کرمچاری
جو شرق سے غرب تک ہیں پھیلے
نہیں ہے ان کا شمار ممکن
وہ بڑھ کے جانیں نثار کر دیں
کہ سب کا شیوہ ہے جاں سپاری!

نہ جانے یہ کیا ہوا اچانک
ٹرام کی پٹڑی سے میں ہٹ کر
پڑا ہوں سنسان سی جگہ پر
نہیں مجھے کچھ بھی ہوش اپنا
پڑا ہو جیسے کوئی شرابی!

میں ایک ادنیٰ "حقیر انساں
کسی کو میرا خیال کیوں ہو
کہ مجھ سا ناچیز مر بھی جائے
اور اس جہاں سے گزر بھی جائے
تو ہو گا میرا ملال کس کو؟
یہاں ہے کس کا خیال کس کو!

رواں ہے جم غفیر انساں
اٹھائے ہاتھوں میں سرخ پرچم
وہ آج لینن کے سوگ میں ہیں
بغیر پرچم بھی ہیں ہزاروں

اُمڈ پڑے ہیں تمام روسی
کہ جیسے خانہ بدوش ہوں وہ!

وہ ہانپتے کانپتے بڑھے ہیں
یہ یونین کی بڑی عمارت
بنی ہوئی ہے مقامِ حیرت
یہ بات کیا ہے، یہ بات کیا ہے!

جھکی ہیں پرچم کی سرخ پلکیں
ہیں برف جیسے سفید آنسو
بھری بھری تار کی صدا ہے
کہ غم کی خبروں کا سلسلہ ہے!

وہ کون ہے، وہ کہاں سے آیا؟
وہ کون سا کام کر گیا ہے؟
وہ ابنِ آدم، جو نوعِ انساں میں
ایک مینار بن گیا ہے

★

وہ ایک انسان وہ مردِ کامل
کہ نام ہے اُلیانوف جس کا
تمام قومیں تمام نسلیں
حیات سے اس کی ہیں شناسا!
مگر وہ لینن عظیم لینن ــــــ

کہ جس کی عظمت کی داستانیں
لکھیں گے برسوں ہی تک محقق
ہو جن میں تفصیلِ جہدِ انساں !

سناؤں لینن کی میں کہانی
کہانی دو سو برس پرانی
یہ شور و غل کیسا اٹھ رہا ہے
صدائیں صدیوں کو چیر دیں گی
کچھ اس طرح کا اثر ہے اس میں !
سٹیم انجن کا شور ہے یہ
بنا تھا جب یہ سٹیم انجن
برملے گو جونؔ تب کہاں تھے ؟

یہ دَور وہ تھا کہ ہر جگہ پر
فقط تھی پیسے کی تاجداری
کسی کو وہم و گماں نہیں تھا
زمانہ ایسا بھی آئے گا جب
یہ تاجداری بھی ختم ہوگی !

انہیں دنوں کا یہ واقعہ ہے
وقار شہروں کا لُٹ چکا ہے
کہ مات جمہور کھا گئے تھے
تجوریاں بنکوں کی بھری تھیں

عوام میں بھوک مری تھی لیکن
یہ دور سرمائے کا تھا یارو
وہ کارنامہ یہ کر گیا ہے!
عوام اٹھے!
لگے وہ نعرے بلند کرنے
لگے وہ دھمکانے اس طرح کہ
"ہمیں دباؤ کہ لوٹو مارو!
ہمارے دَم سے سنوارو قسمت
مگر رکھو یاد، آ رہا ہے
ہمارا رہبر جو سورما ہے
وہی بچائے گا ہم کو آخر
لڑے گا اور انتقام لے گا"

گھٹائیں چھائی ہیں آسماں پر
غبار دھرتی سے اٹھ رہا ہے
ہے باغی لشکر کا کوئی دستہ!
یہ بھیڑ جس کی امڈ پڑی ہے
فلک پہ ہل چل مچی ہوئی ہے
دھوئیں کی یلغار بادلوں پر
ہے کوئی طوفان اٹھنے والا!
بھکاریوں کے یہ سامنے کیا
لگا دیے ڈھیر پیسٹریوں کے
یہ سر سے گنجا درندہ صورت

مچا دیا ہے تہلکہ اس نے!
نکالی فہرست میز سے اک
تھا لفظ "موقوف" بثت جس پہ
لگا دیا بورڈ پر اسے پھر!
اٹھا دیے ڈھیر پیسٹری کے
تھی جس پہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ
وہ کوڑے دانوں میں جا کے ڈالے

ذخیرے غلّہ کے سڑ رہے تھے
جو قبضے میں یپلی سیف کے تھے
وہ لوگ بھوکوں تڑپ رہے تھے
جو لوگ برخاست ہو چکے تھے
نہ جن کا تھا روزگار کوئی!
اٹھی دریچوں سے، جھونپڑوں سے
صدائے آہ و فغاں مسلسل
پکارتے تھے نحیف بچّے
ہمیں بچاؤ، ہمیں بچاؤ!
مٹاؤ آکر ہمارا دکھڑا
لڑیں مریں گے، اُدھر چلیں گے
جدھر بھی چلنے کا حکم ہوگا

★

میری سنو چلنے والے اونٹو!
تمہیں ہو دریافت کرنے والو

سوادِ صحرا میں بستیوں کے
بڑھو بڑھو، شام ہو رہی ہے
جہاز رانو!
ہے ریگ زاروں کے قلزموں میں
سفر تمہارا ــــــــ
تمہاری منزل ہے سمتِ مشرق!
فلک پہ پھر چھا رہے ہیں سائے
جو بد شگونی کی ہیں علامت
اندھیرا چھایا ہے اب وہاں بھی
جہاں تھی سورج کی دھوپ پہلے!

پکار حبشی کی آ رہی ہے
ہے پیٹھ کوڑوں سے جس کی زخمی
جو کیلے کے باغ میں ہے مزدور
جو مکی کے کھیت سے بندھا ہے
وہ نیل دریا سے کہہ رہا ہے
کہ نیل! اے میرے نیل دریا
اُگل دے پہلو سے اپنے طوفاں
کہ جیسے گھڑیال تہ سے اچھلے!
سیاہ رنگت ہو اس کی ایسی
ہمارے شب رنگ تن بدن سی
اچھال دے ہر طرف فضا میں
دہکتے انگارے سُرخ، جیسے

لہو ہمارا !
بڑے بڑے موٹے پیٹ والے
وہ گورے گورے ہوں یا ہوں کالے
تو بھون کر ان سبھی کو رکھ دے
اڑا دے ہر سمت ان کے پُرزے
چبھو دے ان کے بدن میں اپنے
یہ دانت ہاتھی کے دانت جیسے

ہمارے تن سے بہا جو اکثر
لہو کبھی رائیگاں نہ جائے !
جو دکھ اٹھائے ہیں ہم نے صدیوں
ہمارے بچوں کو ان دکھوں سے
کوئی بچائے ـــــــ
چمکتے سورج سے مکھڑے والے
بس اب تو طوفاں بدوش آجا
ہمیں بچالے کہ آج تجھ سے
ہم اپنا انصاف چاہتے ہیں
چھلکنے والا ہے میرا پیالہ
وہ میرا یم دُوت آرہا ہے
مگر میں اَے نیل تیرے صدقے !
میری یہی آخری دعا ہے
کچھ ایسا اب معجزہ دکھا دے

کہ یخ زدہ روس کی زمیں سے
تپے ہوئے پاتا گو نیا تک
جہاں ہر اک سمت صنعتیں ہیں
جو خوب زوروں سے چل رہی ہیں
وہ ووز[5] نے سنسک وہ ایوالوا
وہ شہر کپڑے کی کھڈیوں کا
وہاں کے مزدور نغمہ پیرا
"چلو چلو اپنے کارخانو!
رہیں سلامت یہ تانے بانے
قریب وقتِ سعید ہے اب
کہ[6] سٹنکار ریزن کی طرح کوئی
ہمارا رہبر ہے آنے والا——"

★

ہمارے پوتے کہیں گے جب یہ
بتاؤ سرمایہ دار کیا ہے؟
کہ جیسے اب پوچھتے ہیں بچے
سوال والد سے اپنے اکثر
سپاہی کیا ہے، سپاہ کیا ہے؟

بیان کرتا ہوں اب میں وہ بھی
جو روپ سرمایہ دار کا تھا
ہے اس کی تصویر دل میں میرے
وہ میرے پوتوں کے واسطے ہے!

نہ ان دنوں کچھ بُرا تھا زردار
مگر یہ بدعت کہ ایک تاجر
جو رات دن کام میں لگا ہو
جو زر بنانے میں جٹ رہا ہو
نہ ڈر ہو جس کو کسی بھی شے کا
نہ ہو یہ خدشہ
کہ اُس کا رنگین سا گلوبند
بدل نہ دے بھیگ کر کہیں رنگ!

بڑے بڑے ساہوکار جو تھے
بخیل کہتے تھے جن کو بچے
جو چمڑی دے کر بچائیں دمڑی
وہی رویّہ تھا ان دنوں بھی
جو ساہوکاروں کا آج بھی ہے!
کیے کئی انقلاب برپا
انہوں نے جوش و خروش سے پھر
اٹھایا ہنگامہ "مارسیلز" میں!

دماغِ ایجاد سے پھر اپنے
بنائی زردار نے مشینیں
لیا مشینوں سے کام ایسا
کہ جیسے ہوں یہ غلام اس کی
بڑھی جو تعدادِ کامگاراں

تمام ملکوں میں اچھی خاصی
ہزاروں لاکھوں تک ان کی گنتی !

مگر پھر اس نے یہ گل کھلائے
تمام ملکوں ریاستوں کو
بمعہ نشاناتِ تاجداری
ہڑپ کیا اس نے ایک دم میں !

ہوا وہ پل پل کے خوب موٹا
کہ جیسے ہو کوئی خاص بچھڑا
وہ بائبل میں ہے ذکر جس کا
جو اپنی ہی کھال چاٹتا ہے

زبان اس کی ہے پارلیمنٹ
یہ آہنی جسمِ زر پرستی
جو وقت کے ساتھ ڈھل گیا ہے
جو آج کمزور پڑ چکا ہے
خوشی و آرام کی بدولت
حرام خوری سے جسم موٹا
وہ پھول کر یوں ہوا ہے کپا
کہ جیسے اس کی ہی کا کھاتہ
جو اُس کے دل کو عزیز تر ہے !

بلند و بالا و خوب صورت'
بنا لیے اس نے قصر و ایواں !
ہزاروں معمار، راج جن کی
شدید محنت کا تھا نتیجہ
لوئس کا ایوانِ سنگ مرمر
تھے مثلِ آئینہ فرش اس کے
تھے سقف و دیوار و در مرصّع
اور اس کو چاروں طرف سے گھیرے
مشیر اس کے وزیر اس کے
حسین چہرے، جمیل مکھڑے
یہ رونق افزائے قصرِ دل کش ———
کہ جس کی خدمت میں کچھ محافظ
کھڑے تھے محتاط سینہ تانے
اور ان کے دم سے تھا امن قائم
سلامتی بھی انہیں کے دم سے !

نہ تھا پسند اس کو ناچ گانا
نہ روح میں ذوقِ شاعرانہ
کہ جیسے گائے کھڑی ہو کوئی
مہکتے پھولوں کے گلستاں میں !

تھے علم و فن اس کے گھر کے برتن
مگر وہ برتن پڑے تھے خالی

جو اس کی غفلت سے بھر نہ پائے
بزعمِ خود حکمرانِ دوزخ
بہ ظنِ خود بادشاہِ جنت!
جو بس چلے تو فروخت کردے
وہ روحِ اقدس کے پونچھ کے پر!
صلیب کے کھونٹوں کے نشاں بھی
خرید لیں بیگمات ان کو
جو ہو چکی ہیں ضعیف بے حد!

مگر بالآخر وہ وقت آیا
حدِ تموّل سے بڑھ گیا وہ
مزے اڑانے لگا وہ کھل کر
عوام کے خوں پسینے ہی پر
وہ خوب سوتا، وہ خوب کھاتا!
وہ خوب پیسوں سے جیب بھرتا!

بس اب تو اس کو زوال آیا
وہ سست و کاہل، کمینہ فطرت
حرام خوری پہ جینے والا
لہو جفاکش کا پینے والا
اب آہ و زاری میں مبتلا تھا
کہ جیسے حالات کی ڈگر پر
وہ راہِ تاریخ روکتا ہو
"نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن"
نہ لے سکے اس کو ساتھ کوئی

نہ دے سکے اس کا ساتھ کوئی
دراز بستر پہ ہو گیا ہے
کہ جیسے بے وقت سو گیا ہے
سوائے اس کے نہیں ہے چارہ
کہ اس کو اب بیچ سے ہٹا دیں!

★

میں نکتہ چینیوں کو جانتا ہوں
اٹھائیں گے مارنے کو چابک
تمہارے ناقد کریں گے غصّہ
کہیں گے یہ شاعری نہیں ہے!
یہ صرف ہے اشتہار بازی
یہ صرف ہے نظریہ نوازی
یہ صرف تبلیغِ نظریہ ہے
نہ کوئی جذبہ نہ سوز کوئی
فقط یہ الفاظ کا فسوں ہے"
مگر حکایاتِ زرگری ہیں
کہاں سے آئے گا سوز آخر
نہیں ہے یہ نغمۂ عنادل
کہ جس میں ہو دلکشا ترنم!

مگر توقف! کہ اس قلم میں
وہ جان ہے جب سمیٹ لوں گا
میں فن میں سب کو لپیٹ لوں گا

میں ایسا شاعر ہوں جس کے آگے
کھڑے ہیں موضوع سر جھکائے
کہوں گا اشعار جس قدر میں
وہ گونج اٹھیں گے فضا میں ہر سو!
کہ جیسے عزم و عمل کے نعرے
کہ جیسے جنگ و جدل کے نعرے
نہیں یہ موقع تمہیں سناؤں
میں سوزِ فرقت کا گیت کوئی
ابھی تو اک ایک گیت میرا
ابھی تو شعر و نوائے شاعر
فقط جماعت کے واسطے ہے
وطن کی خدمت کے واسطے ہے!
جہاد کے گیت گاؤں گا میں
ابھی وہ نغمے سناؤں گا میں
نہ آئیں گے جو پسند ان کو
جو لینن ازم کے ہیں مخالف
جو کمیونزم سے خوف کھائیں
جو ہیں پرولتاریوں کے دشمن!

مگر ہمارے لیے یہ نغمہ
ہے اک گمبھیر گیت ایسا
کہ سن کے مردہ دلوں میں جس سے
حیاتِ نو کی وہ گھن گرج ہو

کہ جوشِ پیکار جاگ اٹھے
جنونِ یلغار جاگ اٹھے

★

لرز اٹھیں سن کے یہ صدائیں!
بلند و بالا یہ قصر و ایواں
جو نچلی منزل سے نعرہ اٹھے
وہ گونجے اوپر کی منزلوں پر
نکل کے تاریک مسکنوں سے
کھلی فضاؤں میں ہم پھریں گے
اڑیں گے افلاک کی طرف ہم!

وہ آئے گا کاریگر کا بیٹا
وہ رہنما پرولتاریت کا
ابھی وہ پیدا نہیں ہوا ہے!

زمانہ سرمائے کی ہوس میں
بہت ہی کم ظرف و تنگ دل ہے
کروڑوں ڈالر سے کھیلتا ہے
مگر ہے پھر بھی ہوس سے پاگل
یہ جانتا ہے کہ مرتے دم تک
کچھ اور لوٹے، کچھ اور لوٹے!

یہ پونجی پتیوں کا لوبھ کیا ہے

کہ اپنے قبضے میں لینا چاہیں
کبھی یہ خطہ کبھی وہ خطہ
تمام دنیا، ہر ایک حصّہ
بڑھیں وہ فولاد کے سہارے
کہ لوٹ لیں وہ تمام دنیا
وہ چیختے ہیں کہ "قتل کر دو"
تباہ کر دو، تباہ کر دو
ٹھنی ہو دو زرگروں میں جب بھی
تو جنگ ہے ناگزیر ساتھی!

بنی ہیں قبریں سپاہیوں کی
یہ قصبہ قصبہ، وہ قریہ قریہ
بنی ہیں شہروں میں کارگاہیں
بناتی رہتی ہیں جو عصائیں
(کہ جن میں بنتے تھے تیغ و خنجر
برائے مرگِ سپاہ و لشکر)
یہ مشغلے جب رہیں نہ باقی
تو پھر بساطِ طرب بچھائیں
بڑی مسرت سے کیک کاٹیں
خوشی منائیں، خوشی منائیں

نہ سن سکیں گے وہ چیخ ہرگز
جو تنگ قبروں سے اٹھ رہی ہے

اُدھر نہ دیکھیں گے یہ جدھر بھی
ہوں رقص میں ہڈیوں کے ڈھانچے!

ہزار بزمِ وَغا سجاؤ
ہزار میدانِ جنگ بدلو
جہاد سے ہم نہیں ڈریں گے
نہیں رکیں گے نہیں ہٹیں گے
نہ وقت بخشے گا جُرم خونیں
معاف ہوگا نہ مٹ سکے گا!

وہ رمزداں، وہ ہمارا رہبر
جہاد کرنے پھر آرہا ہے
مگر یہ جنگ آخری رہے گی
نہ ہوں گے پھر آنسوؤں کے دریا!
فریبِ جنگ و فساد سے پھر
نہ ہوگی دھرتی یہ پانی پانی
جدھر بھی دیکھیں جہاں بھی دیکھیں
لہو کا دریا، لہو کا دلدل!
بالآخر ایسا بھی وقت آیا
جو خواب دن کو ہی دیکھتے تھے
وہ غور کرنے لگے تھے اس پر
پرانی راہوں کی جستجو میں
فرار کی راہ ڈھونڈتے تھے

کہ اس میں شاید سکوں ملے گا
مگر حقیقت پسند انساں
دماغ پر زور دے رہے تھے
کہ جادۂ مستقیم پائیں!

چمکتی پگڈنڈیاں تھیں لیکن
چمک دمک ان کی تھی چھلاوا
نہیں تھا ممکن کہ کام دیں وہ
کہ جیسے دیتی ہیں شاہراہیں
گزر سکیں گے یہاں سے کیسے؟
ہزارہا لوگ غم کے مارے!
مگر یہ سرمایہ دار طبقہ
نہ پرورش اس کی کر سکے گا۔
جو خود غلط ہے جو خود ہے رہزن!
وہ اس کی زر آفریں مشینیں
غضب کا ہلہ مچا رہی ہیں
گھسا پٹا یہ نظام زر کا
کہ خشک و پژمردہ پتا جیسے
ڈگر پہ ہڑتالوں سنکٹوں کی
بہ حالِ مجبور اُڑ رہا ہے!

یہ سیم و زر کا فریب کب تک
مقامِ حیرت ہے کیا کریں ہم

دھریں بھی تہمت تو کس کے سر پر
جو ساتھ بھی دیں تو کس کا آخر؟

کروڑوں ہاتھوں کی شکتی والے
کروڑوں اپنے سروں کے مالک
کروڑوں محنت کشوں کا طبقہ
دماغ پر زور دے رہا ہے
کہ جلد ہو جائے حل معمہ!

نظامِ زر اب بدل رہا ہے
سسک رہا ہے یہ عہدِ کہنہ
زمانہ اس کو نگل رہا ہے
کہ جیسے بجلی کے کاوے سے
وجودِ فولاد گل رہا ہے!

کچھ اور دن جب گزر گئے تو
جنم ہوا ایک آدمی کا
زمانہ کہتا تھا جس کو کارل
وہ مارکس کے نام سے مشرف
کہے بڑا بھائی جس کو لینن

وہ ایک پسندیدہ شخصیت تھی
وہ ایک سنجیدہ شخصیت تھی

کہ جیسے تصویر سے ہے ظاہر
بہت نمایاں ہے فرق لیکن
شبیہ اور اس کی زندگی میں!

یہ سنگِ مرمر، سفید مٹی
کہ جس سے مورت بنی ہے اس کی
کہ جیسے کمزور ایک بوڑھا
تھکا ہوا جہدِ زندگی سے
جو اپنی منزل کی سرحدوں پر
پہنچ گیا ہو ہنسی خوشی سے!

جو راہِ منزل دکھائی اس نے
وہ راہِ نو انقلاب کی تھی!
چلے تھے جس پر بڑی لگن سے
ہزاروں مزدور اور جفاکش
یقینِ منزل اگرچہ کم تھا
مگر اسی راہ پر وہ پھر بھی
(تھکے ہوئے رہنما کے پیچھے)
بہت ہی تیزی سے چل رہے تھے!

جو دیکھیں تصویر کا یہ پہلو
تو ایسا معلوم ہوگا ہم کو
سلگتی بھٹی نے جیسے اس کا
دماغ و دل گرم کر رکھا ہو!

وہ کام کرتا رہا ہو جیسے
اکیلا ہر ایک فیکٹری میں
تمام شفٹوں میں کام کرنے کا
تجربہ اس کو ہو چکا ہو
کہ جیسے اپنے کٹھور ہاتھوں سے
اس نے اوزار ہوں چلائے
ہر ایک اوزار کا ہو ماہر
ہر ایک کل سے وہ آشنا ہو!

یہ مارکس نے معجزہ دکھایا
پکڑ لیا ان کو رنگے ہاتھوں
جو اپنے حق سے نظر بچا کر
کثیر دولت چرا رہے تھے!
نہ تھی کسی اور میں یہ ہمت
کہ سینہ زوروں سے بات کرتا
کسی کے دل میں نہ تھی یہ جرأت
کہ ایسے چوروں سے بات کرتا
ملا کے آنکھ ان سے حق کی خاطر
جو نفع خوروں سے بات کرتا
سبھی میں احساسِ کہتری تھا!

کماں سنبھالی جو مارکس نے پھر
اور اس نے طبقاتی جنگ چھیڑی

پرولتاری تھے ساتھ اس کے
بڑھے وہ آگے کہ ذبح کر دیں
وہ زر کا بچھڑا، جو پل چکا تھا
جو سانڈ خونخوار بن چکا تھا
خلیج میں اشتراکیت کی ——
جو دھند سے یوں ڈھکی ہوئی تھی
کہ ہر طرف تھا دھواں دھواں سا
اور ان کو احساس تھا کہ شاید
عذابِ دوزخ کا سامنا ہے
محال ہے اس کا بچ نکلنا!

یہ مارکس نے جب انہیں بتایا
کہ یہ تو تاریخ کے چلن ہیں
بہت ہی گہری ہے ان کی بنیاد
پرولتاری معاشرے کا
وقار اس نے بڑھا دیا تھا!

کتابیں جو مارکس نے لکھی ہیں
نہیں پلندے وہ کاغذوں کے
نہ صرف ردّی کے ہیں وہ ٹکڑے
ہو جن میں بھرمار آنکڑوں کی
کہ ہیں تصانیف اس کی جتنی
مسائل ان میں ہیں ورکروں کے

کچھ اس طرح اس نے بحث کی ہے
کہ تابِ مزدور ہو زیادہ
کہ راہِ منزل پہ بڑھ سکیں وہ
اور اس میں وہ جان تک لڑا دیں !

بتایا اس نے یہ ورکروں کو
کہ جنگ میں اپنا خون دو تم
اٹل عقیدے جو ہیں تمہارے
عمل سے ثابت انہیں کرو تم
وہ مردِ دانا، عمل کا پیکر
ضرور آئے گا ایک دن پھر
کتاب کے نظریے سے ہٹ کر
عمل کے میداں میں وہ بڑھے گا
وہ رہنمائے عوام آخر
تمہاری بھی رہبری کرے گا"

یہ آخری لفظ مارکس کے تھے
جو موت سے پہلے اس نے لکھے
جب انگلیاں اس کی کانپتی تھیں
مگر چمکتی تھیں اس کی آنکھیں
نگاہ بھی اس کی دُور رس تھی
اسے نظر صاف آ رہا تھا
کریملن کا جدید نقشہ!

اُسے نظر آرہا تھا گویا
فلک پہ تھا ماسکو کے رقصاں
غریب و مفلس کا سرخ پرچم !

زمانہ کروٹ بدل رہا تھا
اِسی طرح بعد مدّتوں کے
گزر گیا ورکروں کا بچپن
پرولتاری جو بڑھ رہے تھے
اب ان کی تحریک اوج پر تھی
کہ جس کی خاطر کئی برس سے
وہ سر بکف ہو کے لڑ رہے تھے !
جو گڑھ تھے سرمایہ داریوں کے
وہ ٹوٹتے جا رہے تھے آخر !
اٹھے جو آندھی تو یہ سمجھ لو
ہے کوئی طوفان آنے والا
بڑھے جو حد سے زیادہ غصّہ
تو اس سے ہوگا فساد برپا
نتیجتاً انقلاب ہوگا !

مگر یہ سب بورژوائی شیطاں
یہ شوخ، گستاخ، تند وحشی
ہتھوڑا طاہر و گالی فٹ کا
کچل دے بے رحم بن کے سب کو

بنی تھیں پیرس میں جتنی قبریں
پڑی لکاسے کے کھنڈروں میں
کمیون مُردوں کی خامشی سے
بلند آواز آرہی تھی

"سنو بھی، سمجھو بھی ساتھیوں تم
شکست کھائی تھی ہم نے کیوں کر
بھلا نہ دینا تم اس سبق کو
لڑو گے تنہا تو ہو گی دُرگت
تمام مزدور ایک ہو کر
گرفت میں دشمنوں کو لینا
کہ ہے جماعت بڑی کرامت"
یہ فرضِ تنظیم ہے مقدس
کہ دشمنوں کے مقابلے میں
بڑھیں جب آگے "تمہارے رہبر"
تم ان کے ہم دوش بڑھتے رہنا!

اشارہ الفاظ میں یہی ہے
یہ کس کی آمد کا تذکرہ ہے؟
وہی جو ہے رہنمائے اعظم
وہ صاف ستھرا، وہ سیدھا سادہ
کہ جیسے لوہے کی صاف پٹڑی
کہ جیسے روئی کی نرم پرتیں

وہ ساتھ سکھ دکھ میں دینے والا
خراج وہ سب سے لینے والا!

★

عظیم دنیا بسیط عالم
ہو جیسے کوئی بڑا سا برتن
تمام فرقوں کا ایک مامن
زبان و رنگ و نسب کا جھگڑا
طلائی پہیے لگے ہوں جس کو
دکھائی یوں دے کہ چل رہا ہو
مگر حقیقت میں چیختا ہو

روپیہ پیسہ تو سیہہ بن کر
ہوا ہے پَل پَل کے خوب موٹا
مخالفت کے لیے کھڑا ہے
چمکتی سنگینیں تان کر وہ!
تمام یورپ پہ چھا رہا ہے
یہ سایۂ اشتراکیت یوں
کہ جیسے آسیب ہو یہ کوئی
جو پیچھے ہٹ کر بھی، پھر سے لپکے
محیط پر اپنے گھومتا ہو!

یہی تھے حالات جن دِنوں وہ
عظیم لینن ہوا تھا پیدا

میانِ یوُرال و ماسکو وہ
نگر سمبرسک کی سرزمیں پر
وہ طِفل معصوم و پاک ایسا
کہ جیسے ہوتا ہے عام بچّہ!

میں ایک مزدور سے ہوں واقف
پڑھا لکھا جو نہیں تھا لیکن
سنا تھا لینن کو اس نے اک دن
وہ سن کے سب کچھ سمجھ گیا تھا
کہانی وہ بھی ہے یاد مجھ کو
سنائی تھی اک کسان نے جو
کہ جس طرح سائیبریا میں
زمین کسانوں نے چھین لی تھی
اور اس کو محنت سے کاشت کر کے
بنا دیا مرغ زارِ جنّت ——

تمام بچّے، جوان، بوڑھے
اگرچہ لینن سے بے خبر تھے
نہ نام لینن کا جانتے تھے
نہ اس کے بارے میں کچھ پڑھا تھا
مگر وہ پیرو تھے اس کے دل سے
وہ فطرتاً اس کے تھے مقلّد!

گیا پہاڑوں پہ بھی میں اکثر
ڈھکے ہوئے تھے جو بادلوں سے
نہ گھاس کا تھا نشاں وہاں کچھ
نہ پتھروں پر جمی تھی کائی
سنا ہے میلوں کے فاصلے پر
فقط گڈریا تھا ایک ایسا
ملا تھا لینن کا جس کو تحفہ
کہیں گے کچھ لوگ اس میں کیا ہے ؟
یہ تمغہ ہے لڑکیوں کا گہنا
سجاتی ہیں جو فراک اپنے
لگائے رہتی ہیں اس پہ تمغے

مگر حقیقت کچھ اور شے ہے
خراشیں تمغے کے پن کی جو تھیں
قمیضوں، جسموں سے بھی گزر کر
دلوں میں ان کے اُتر گئی تھیں
تھی ان کو ایلچ سے خاص عقیدت
جسے بیان کر سکیں نہ ہرگز
درِ کلیسا کے یہ بھکاری
ہے ناروا قول و فعل جن کا
نہیں یہ ممکن وہ صاف کہہ دیں
کہ اس کو حکم خدا ملا ہے
بچائے انسانیت کو آکر ـــــ

بڑی لگن سے، خلوصِ دل سے
یہ فرض پورا کیا ہے اس نے
بڑھا ہے محنت کشوں کو لے کر
سنبھل سنبھل کر وہ سوئے منزل
لکھی ہیں اس نے کئی کتابیں
لکھے ہیں اس نے کئی صحیفے
زمانے بھر کے مجاہدوں کا
بنا وہ رہبر فقط عمل سے

جہاز پر تم اڑان کر کے
نظر کبھی رُوس پر جو ڈالو
تو دیکھ پاؤ گے نیلے دریا
بدن پہ دھرتی کے گھاؤ ہیں جو
مگر وہ گھاؤ ہیں ان سے بڑھ کر
زمین داروں نے جو دیے ہیں
کسان بے حال ہو رہے ہیں
پڑے بہت، ان کی جان پہ چابک
لگے انہیں بید سخت اتنے
کہ غم میں ڈوبی ہے ساری دھرتی!

ذرا تم اطراف کو بھی دیکھو
ہیں کوہ، معدن و جیل خانے
جو آسمانوں کو گھورتے ہیں

مگر جو اڈوں پہ جُٹ رہے ہیں
پسے ہوئے ہیں دبے ہوئے ہیں
عجب مصیبت میں، ہیں وہ سارے
ہے جیل خانوں سے حال بدتر
لڑائی کی خندقوں سے بڑھ کر!

جہاں میں دیس اور بھی بہت ہیں
کہ جن کی بابت سنا ہے ہم نے
جو خوب صورت ہیں خوشنما ہیں
مگر جہاں بھر میں دیس ایسا
نہ ہم نے پایا، نہ ہم نے دیکھا
رہینِ غم اور غریقِ ماتم
جو سوگ میں یوں تڑپ رہا ہو!

مگر ہر اک شے کی حد ہے آخر
سہے گا کوئی ستم کہاں تک
ہر ایک جانب سے شور اٹھا
"وطن ہمارا زمیں ہماری
نہ جھک سکے گی جبیں ہماری
کہ حرّیت پر ہمارا حق ہے"
برائے آزادئ وطن پھر
بپھر اٹھے سربلند باغی
بڑھے وہ ہتھیار بند ہو کر

کہ قصۂ ظلم پاک کر دیں
کہ زار کو وہ ہلاک کر دیں!
مگر نتیجہ خلاف نکلا
(کہ فردِ تنہا، بدل نہ پائے
نظام کوئی)

ابھی تھا طوفانِ جنگ جاری
ہوا گرفتار الیکسانڈر
جو زار ہی پر جھپٹ رہا تھا
عظیم لینن کا بھائی تھا یہ
جو عمر میں اس سے کچھ بڑا تھا

ہو زار یا اس کا کوئی ساتھی
اڑا بھی دیں ان کو گولیوں سے
تو کیا ضروری کہ ظلم کم ہو
کہ ختم ہو دورِ بربریت!
خلافِ ظلم و ستم برابر
بہ عزمِ راسخ وہ لڑنے والا
مقابلِ مرگِ ناگہاں وہ
بصد شجاعت اکڑنے والا
مگر شہادت تھی اس کی قسمت
اندھیرا تھا شلسلبرگ میں جب
بہ وقتِ شب اس نے پائی پھانسی

فقط اُجالا تھا مشعلوں کا
اداس اندھیرے، اداس اُجالے

مگر وہ سترہ برس کا لینن
شہید بھائی کا ماتمی تھا
کہا یہ سوگند کھا کے اس نے
لڑیں گے اے بھائی ہم لڑیں گے
جو حق ہے اس کے لیے مریں گے
کبھی نہ ہاریں گے دشمنوں سے
ہماری فتح ضرور ہوگی!
ہماری فتح ضرور ہوگی!

یہی تو ہے سورما تمہارا!
جو دیکھو اس کے مجسّموں کو
بلند رکھتا ہے اپنی گردن
کہ جیسے رکھتا ہے مور اکثر
دکھاؤں گا تم کو نقش اس کا
بتاؤں گا تم کو اس کے جوہر
کہ کس طرح اپنی زندگی میں
کیے تھے کیا کارہائے مشکل
کیے تھے دشوار طے مراحل!

مگر نہ تھی اس میں کچھ نمائش

نہ پائی اس میں ذرا دکھاوٹ
نہ لاگ کوئی نہ کچھ لگاوٹ
تھے سارے مزدور ساتھ اس کے
جو کام کالونی میں کر رہے تھے
وہ رات دن ایک کر رہا تھا
کہ اپنے حق کے لیے مسلسل
وہ ان کو لڑنا سکھائے کیوں کر
کہ جس سے اُجرت میں ہو اضافہ
نہ ہو کسی طرح کی کٹوتی!

جو اُن کا تھا فورمین شیطاں
اسے بھی دینا تھا درسِ عبرت
کہ وہ تھا محرومِ آدمیت
مگر یہ سب کچھ نہیں تھا آساں
بڑا ہی مشکل یہ مسئلہ تھا
کہ جیسے دلدل سے پُر گڑھے کو
غلیظ دلدل سے صاف کرنا!
اگر یہ ہو جائے فرض پورا
تو ہم تسلی سے بیٹھ جائیں
مگر حقیقت کچھ اور ہی تھی!

سوال درپیش تھا یہاں تو
کہ اشتراکی نظام آئے

جو ضد ہے سرمایہ پروری کا
حریف ہے، جو تونگری کا
مقابلے کے لیے بھی لازم
یہ تھا کہ توپ و تفنگ بھی ہوں
اگر ہے یہ ناگزیر ٹکر
تو سازو سامانِ جنگ بھی ہوں
یہ کام تنکوں سے تیلیوں سے
نہ ہو سکا ہے، نہ ہو سکے گا!

جو سخت محنت میں جٹ رہے تھے
دماغ جن کے ہوئے تھے بوجھل
انہیں وہ یہ بار بار کہتا
یہ ہے ضرورت کہ سب جفاکش
جو بھید کی ہے وہ بات سمجھیں
ہر ایک رمزِ حیات سمجھیں
سمجھ لیں اچھی طرح تو پھر وہ
بتا سکیں اپنے ساتھیوں کو
سبق جو ان کو دیا گیا ہے

یہ سچ تو ان پر ہے خوب روشن
کہ ان کے کل تک تھے چند ساتھی
وہ سینکڑوں آج ہو گئے ہیں
اور آنے والا جو آئے گا کل

ہزاروں ہوں گے رفیق ان کے!
وہ وقت بھی آئے گا کسی دن
کہ سارے مزدور اس جہاں کے
کڑکتی بجلی کی طرح اٹھ کر
کھلی بغاوت کریں گے بڑھ کر
کوئی ہو دشمن کوئی ہو طاقت
نہ ہم ڈرے ہیں نہ ہم ڈریں گے
کہ جیسے ڈرتی ہیں بھیڑیں اکثر!

بڑھا جو محنت کشوں کا غصّہ
امڈ پڑیں پھر گھٹائیں کالی
نکالے لینن نے پمفلٹ جو
وہ برق بن کر فضا میں چمکے
بکھیرے جو اشتہار اس نے
وہ مینہہ بن کر سروں پہ برسے
جو پائی لنین سے روشنی یوں
ہوئے سبھی کے دماغ روشن
ہوا طلوع نیا سویرا!
نئے سویرے کی روشنی سے
عوام نے پائی خوب طاقت
دلوں سے دُور ہو گئی پھر ان کے
ہزار ہا سال کی اُداسی ـــــــ

غریب طبقے کو ساتھ لے کر
بڑھا بتدریج آگے لینن
رفاقت ان کی تھی کار آمد
انہیں غریبوں نے کر دکھایا
جوان لینن کا خواب پورا!
نہیں تھی کوئی بھی چھوٹ ان میں
کہ یونین ان کی بن چکی تھی
وہ آج سب مل کے لڑ رہے تھے
کہ ان کا طبقہ نجات پائے
کہ فکرِ لینن بھی اس زمیں پر
عمل کی صورت میں کامراں ہو!

جو اشتراکی جوان تھے واں
وہ معجزے سب دکھا رہے تھے
بہت سے روپوش ہو چکے تھے
بہت سے جانیں گنوا رہے تھے
کہ خون رِستا تھا قطرہ قطرہ
تہِ زمیں سخت کنکروں سے
جو مٹی کیچڑ میں مل چکا تھا
ولادی میر کا کی شاہراہ پر
نہ جس کی تھی کوئی حدِ فاصل
مگر وہ حالات اب نہیں ہیں
یہ سب حوادث گزر چکے ہیں

نہ وہ اسیری نہ وہ غلامی
کہ اب تو یوں خوش نصیب ہیں ہم
ہماری مٹھی میں ہے زمانہ
ہمارے ہونٹوں پہ ہے ترانہ!

کریملن میں جو مقتدر ہیں
بہت ہی کم ان میں ایسے ہوں گے
جو اب بھی ماضی کے ساتھیوں کو
جو عہدِ رفتہ کے دوستوں کو
بڑی محبت سے یاد کرکے
خراجِ تحسین دے رہے ہوں
جو پا بہ جولاں رہے تھے اکثر
جنہیں گھسیٹا گیا زمیں پر ــــــ

وہ عہدِ ماضی بھی یاد کر لو
ابھی تو گزری ہے تھوڑی مدت
ہماری آنکھوں کے سامنے جب
گزرتی تھیں حاکموں کی کاریں
ٹرامیں اور بگھیاں بھی ان کی
بتاؤ تم میں تھے کتنے ایسے
جو چاہتے تھے کہ توڑ ڈالیں
یہ جیل خانے کی سب سلاخیں!
جو چاہتے تھے ہلا کے رکھ دیں

مہیب زنداں کے بام و در کو
لگا کے اپنے سروں سے ٹکر!
سلوک ہوتا تھا ہم سے ایسا
کہ جھونکتے تھے وہ ریت سر پر

"وطن کی خاطر تمہاری خدمت
ہے مختصر پھر بھی مخلصانہ"
یہی تو ہے وہ اداس نغمہ
جلا وطن ہو کے جس کو لینن نے
دل میں رکھا زباں سے گایا

★

کہا کسانوں سے تم نے اکثر
کریں وہ روشن خود اپنی راہیں
رکاوٹیں سب ہٹا کے کر دیں
سماج وادی نظام قائم ——
لگائیں شہروں میں کارخانے
کہ جال بچھ جائے صنعتوں کا
ہر ایک شے روس میں ہو پیدا

کوئی بھی ایسا خدا نہیں ہے
جو غلّہ برسائے آسماں سے
یہاں پہ ہیں کاشت کار جتنے
پرولتاری ہوں ان کے رہبر

جو لاش سرہانے کی دھری ہے
بنے گی شہ راہِ روس اس پر
ہیں جتنے محنت کشوں کے طبقے
ہے راہنما ان کا صرف لینن
دھنی تھے باتوں کے یوں تو لبرل
تھے ان کے ساتھی سماج وادی[۱۲]
جو بنتے پھرتے تھے انقلابی
جو ڈھیروں وعدے بکھیرتے تھے
ہر اک کو باتوں میں گھیرتے تھے
مگر صداقت تھی صرف اتنی
کہ دھوکا محنت کشوں کو دے کر
اور ان کی قوت کو ساتھ لے کر
وہ مسندِ اقتدار لے لیں!
عظیم لینن یہ جانتا تھا
شکست، باطل کی لازمی تھی
سحر صداقت کی جگمگائی
فریب کی رات تھرتھرائی
فقط حقائق کی روشنی میں
نظر وہ آتے تھے صاف ایسے
کہ جیسے ننگے برہنہ بچے
دکھائی تصویر صاف ان کی
کہ ان کے دامن میں کچھ نہیں ہے
مگر کچھ الفاظ اس طرح کے

کہ "حریّت" اور "بھائی چارہ"
زباں سے اس کی برستے دیکھے!

تھی بالشویک ایسی اک جماعت
جو مارکسیت سے تھی مسلح
عمل کے میدان میں آئی تنہا
ہر ایک طاقت سے لوہا لینے
ریاستیں روس میں ہیں جتنی
جہاں بھی جائیں، جدھر بھی جائیں
مرصّع گاڑی میں یا کہ پیدل
نظر یہ الفاظ آئیں سب کو
کہ جیسے "رے۔ کاف۔ پے[13]" کے آگے
میانِ قوسین حرف "ب" کا
جہاں میں اب کچھ نجومیوں نے
شکار مرّیخ کو بنایا
وہ دُور بینوں سے تاکتے ہیں
بلند برجوں کی چھت پہ چڑھ کر
مگر یہ مذکور حرف سارے
لکھے ہیں کپڑوں پہ، کاغذوں پہ
مرّیخ تارے سے بھی زیادہ
چمک رہے ہیں، دمک رہے ہیں

★

ہوں لفظ کتنے ہی خوب صورت

عمل جو اُن کا نہ ہو مناسب
تو ہیں وہ تنکوں کا ایک خرمن !
یہی ہے عزمِ صمیم میرا
کہ یہ "جماعت" کا لفظ ہے جو
میں اس کی عظمت بیاں کروں گا
میں اس کی وسعت بیاں کروں گا !
کوئی بھی تنہا بشر ہو لیکن
جہاں میں اس کی نہیں ہے وقعت
نہ اس کی آواز میں ہے طاقت
کہ جیسے سوئی گرے زمیں پر
مگر نہ آواز آئے کوئی
تو اس کو پھر کوئی کیا سنے گا
سوائے بیوی کے اس کی اپنی
اگر ہو موجود وہ بھی گھر میں
نہ سیرِ بازار کو گئی ہو !

مگر جماعت کی بات کیا ہے
بلند ہو جب بھی اس کا نعرہ
تو سارا ماحول گونج اٹھے
نحیف و کمزور سی صدائیں
ملیں تو پیدا وہ گھن گرج ہوں
کہ پورا ماحول ہانپ اٹھے
کلیجہ دشمن کا کانپ اٹھے !

چوں زلزلے مونچھوں میں پیدا
گرج سے ہو ایک حشر برپا
کہ جیسے توپوں کی ہو دنادن
تو پردے کانوں کے چاک کردے!

اگر ہو اک آدمی اکیلا
کہ جس پہ غنڈہ جھپٹ پڑا ہو
شکست کھائے گا وہ یقیناً ____
نہتے بے کس سے کچھ نہ ہوگا
اور اس کی مٹی پلید ہوگی ____
مگر جماعت کی بات کیا ہے
کہا گیا ہے اسے کرامت،
پھر اس کرامت کی بات کیا ہے!

اگر ہزاروں نحیف مل کر
بنالیں اپنی کوئی جماعت
تو دشمنوں کو شکست ہوگی
نہ سر کبھی وہ اٹھا سکیں گے
ہزاروں ہاتھوں سے ایک حملہ
ہزاروں ہاتھوں کا ایک مُکّا
ہے ایک تنظیم کی یہ قوّت
ہے اصلِ عظمت بس اک جماعت

عظیم کتنا ہو فردِ واحد
نہیں اکیلے کی کوئی وقعت
کہ وہ نہ ہرگز اٹھا سکے گا
طویل دس گز کا ایک لٹھا
بھلا کہاں اس سے اٹھ سکے گی
بلند دس منزلہ عمارت!

ہزاروں بازو، دماغ، آنکھیں
کہ جس سے مضبوط ہو جماعت
یہ عقل و دانش سمیت طاقت
کہ جس سے ہو اجتماعِ قوّت!
اور ایسی طاقت سے کام لے کر
ہم آسمانوں کو زیر کرلیں
سہارا اک دوسرے کا بن کر
جئیں زمانے میں سارے تن کر
غریب، مزدور اور جفاکش
بنا کے تنظیم اک جہاں میں
حیاتِ نو کا لگائیں نعرہ!

قطب نما کی طرح جماعت
ہماری کرتی ہے رہ نمائی
تمام محنت کشوں کی طاقت
فقط جماعت، فقط جماعت

وجودِ انساں میں جس طرح ہے
اہم تریں ریڑھ کی یہ ہڈی!

یقیں ہمارا ہے غیر فانی
یقیں ہمارا امر ہے رہے گا
ہماری تنظیم یہ جماعت
امر تقاضوں کی ہے ضمانت
ہمارے مقصد کی ہے محافظ
یقینِ محکم ہے یہ ہمارا ——
دبے ہوئے یہ غریب مفلس
مٹا کے رکھ دیں گے زار شاہی
گرا کے چھوڑیں گے تاجِ شاہی
اسی جماعت کے دم سے آخر
ہمیں ملی ہے یہ شان و شوکت
یہ فکر و دانش، یہ تاب و طاقت

ہوں جیسے جڑواں وجود دونوں
عظیم لینن، بڑی جماعت!
نہیں ہے دونوں میں فرق کوئی
عظیم دونوں، مہان دونوں
عزیز جنتا کی جان دونوں
کہ مادرِ مہرباں ہے جن کی
ہمارا اتہاس اور تاریخ

نظر میں اس کی ہے کس کی وقعت
بڑا ہے کون اور کون چھوٹا ؟

مگر ہمارے لیے یہ ساتھی !
بہت ہی دشوار مسئلہ ہے
ہمارا پھر بھی یہ فیصلہ ہے
کہ دونوں باہم ہیں روح و قالب
کہ ہیں یہ ملزوم اور لازم
اٹوٹ رشتے میں منسلک ہیں !
وہی تو ہے داستانِ لینن
وہی ہے افسانۂ جماعت
عظیم لینن ، بڑی جماعت
نہیں ہے دونوں میں فرق کوئی

ابھی تو ہیں تاج و تخت باقی
ابھی تو زردار کالے دھن سے
بنے ہیں کالے کہ جیسے کوے
ہوں سردیوں میں بہت ہی کالے

مگر جفاکش بپھر اٹھے ہیں
کہ جیسے لاوا اُبل رہا ہو
کریٹ میں وہ اُچھل رہا ہو
کریٹ کی شکل میں جماعت

اُبھر رہی ہے مچل رہی ہے
کہ روزِ نو جنوری کا آیا
عوام کا دوست تھا جو گیپن[14]
اب اس کا عہدہ بھی چھن چکا تھا
ہدف بنے ہم بھی گولیوں کے
سنے گئے پھر کچھ ایسے چرچے
کہ زار کا رحم عام ہوگا
مگر نتیجہ جو اس کا نکلا
وہ مکڈن اور توشِنی[15] ماں میں دیکھا
جہاں ہوئے تھے فساد برپا
جہاں پہ کھیلی گئی تھی ہولی
ہمارے ہی خون سے بالآخر !

ہوئے تھے کچھ واقعات ایسے
کہ اٹھ گیا اعتبار سب کا
یقین کسی کو نہیں رہا تھا
کہ فائدہ گفتگو سے ہوگا
فضول گفت و شنید ہے اب
نہ کوئی باقی امید ہے اب !

پرینسیا میں ہوئی بغاوت
عوام ہتھیار لے کے اٹھے
کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا

کہ ڈولنے کو ہے تختِ شاہی
جو بورژوا کا تھا ایک تکیہ
جو صرف راحت کدہ تھا ان کا!
انیس سو پانچ (۱۹۰۵ء) کے یہ دن تھے
ہوئے جو اپیچ کے ہر سُو چرچے
وہ ورکروں کا رفیق ہر دم
وہ غمزدوں کا شفیق و محرم
جہاں جہاں بھی رکاوٹیں تھیں
وہاں وہاں وہ بھی لڑ رہا تھا
بپھر رہا تھا، اکڑ رہا تھا
خطیب تھا انقلاب کا وہ
حیاتِ صد انقلاب تھا وہ
ثباتِ عزمِ شباب تھا وہ
وہ اپنی جرأت سے، حوصلے سے
بڑی شجاعت سے، ولولے سے
کئی مسائل سے لڑ رہا تھا
مگر ہوا فوراً اس کو دھوکا
ستم ظریفی تھی یا کہ ٹھٹھا

چمکتے تھے ایسے لال ربن
کہ جیسے دمکیں حسین عارض
محل کے منبر سے زار نے جب
پڑھا نیا ایک مینی فیسٹو[١٧]

ہوئیں تقاریر و رقص و نغمہ
خوشی خوشی ایک ہفتہ گزرا
مگر پھر آئی نئی مصیبت
عوام پر ٹوٹی اک قیامت

کہ زار کا ایڈمرل دباسوف[18]
قصاب کا نام جس نے پایا
جو سیلِ خونیں میں بڑھ رہا تھا
کہ جس نے توپوں سے بھون ڈالا
نہتے لاچار ورکروں کو
نحیف و نادار ورکروں کو!

سفید گارڈ کے منہ پہ تھوکو
وہ جب بھی آ کر تمہیں بتائیں
چلن ہے چیکا[19] کا ظالمانہ
انہوں نے اے کاش دیکھے ہوتے!
غریب مزدور مار کھاتے
بندھے ہوئے کہنیوں سے اکثر
سسک سسک کر وہ مرنے والے
کہ جن کی تعداد تھی ہزاروں!

ادھر وہ دانشوروں کا طبقہ
جو دست بردار ہو چکا تھا

جو جہد سے پیچھے ہٹ گیا تھا
گھروں کو اپنے پلٹ گیا تھا
خدا کو گویا وہ ڈھونڈتا تھا
جلا کے مدھم سی موم بتّی
نہیں نہیں بلکہ عود بتّی
کہ جس سے ماحول ہو معطّر
ہوا اُن[۲۰] پہ اپنے خدا کی لعنت
(ہو ان پہ اہلِ وفا کی لعنت)
یہ کہتا تھا پلیخا نوف[۲۱] ساتھی
کہ بالشویکوں کا جُرم بھی ہے
" اگر نہ ہتھیار وہ اٹھاتے
نہ ہونے پاتا یہ خوں خرابہ "
مگر یہ لینن کا حوصلہ تھا
کہ اس نے غدار ظالموں کو
اِدھر کھدیڑا، اُدھر لتاڑا
جمایا انصاف کا اکھاڑا
کسی بھی غدار کو نہ بخشا!

...

کہا یہ لینن نے " ٹھیک تھے ہم
کہ ہم جو طاقت سے پیش آتے
تو مار ہم یوں کبھی نہ کھاتے
دکھائی دیتا ہے صاف مجھ کو
کہ وقت اب وہ قریب تر ہے

اٹھیں گے مزدور جب دوبارہ
نئی بغاوت کا زور ہوگا!
اور اب کے ہم ہوں گے حملہ آور
'مدافعت'، اب نہ ہوگا نعرہ
کہ جارحیت کا ہے زمانہ
ہے باغیوں کا یہی ترانہ
رہے نہ اب اہلِ جبر کوئی
رہے نہ ان کا کوئی ٹھکانہ
یہی ہے منزل، یہی نشانہ"

گزر گیا ایک سال وہ بھی،
کہ قتل مزدور جب ہوئے تھے
شہید لاکھوں ہوئے تھے باغی
تباہ جمہور جب ہوئے تھے
بہی تھیں جب ندیاں لہو کی
غریب مقہور جب ہوئے تھے

وہ سال تاریخ میں ہماری
لہو کی ایک یادگار ہوگا
ملے گا اس سے وہ درسِ عبرت
کہ انقلاب، وطن کی خاطر
ہر اک وطن پر نثار ہوگا
بنے گا بنیادی مدرسہ وہ

وہ ہوگا بیسک اسکول اپنا
یہی رہے گا اصول اپنا
کہ جس میں آئندہ باغیوں کو
بغاوتوں کا سبق ملے گا
ملے گی خاص ان کو تربیت بھی!

کمال لینن نے کر دکھایا
بدل کے زنداں کو مدرسے میں
ہمیں یہ تعلیم و تربیت دی
کہ ہے جو درپیش جنگ ہم کو
ہمارا اس میں طریق کیا ہو
وہ دوسروں کو سکھا رہا تھا
کہ علم اپنا بڑھا رہا تھا
جماعت اپنی بکھر چکی تھی
اسے ضرورت تھی رہنما کی
وہ اس کی تنظیم کر رہا تھا
وہ اس کا نقشہ بدل رہا تھا!

برس کے پیچھے برس جو آتا
تو روز ہڑتالیں بڑھتی جاتیں
کہیں جو چنگاری اک سلگتی
تو شعلہ بن کر بھڑکتی ایسی
کہ اس کی لپٹیں لپک لپک کر

عوام ہی کو لپیٹ لیتیں!
مگر پھر اک سال ایسا آیا
کہ بجھ گئے آگ کے وہ شعلے
تھا انیس سو چودہ (۱۹۱۴ئہ) کا زمانہ
جو ہم پہ آفات ڈھا گیا تھا
مگر دلاتے تھے جوش ہم کو
جو تجربہ کار سورما تھے
وہ اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر
بیان کرتے پرانے قصے
گزشتہ جنگ وجدال کے سب
وہ معرکے سر جو کر چکے تھے!

مگر کہاں وہ پرانی باتیں
پولتاوا یا پلیونا کی گھاتیں
کہاں یہ موجودہ قتل وغارت
بدن کے قیمے کی یہ تجارت
کہ جس کی نیلام ہو رہی تھی
شہنشہی دانت پیستی تھی
مچاتی تھی شور چیختی تھی
غلاظتیں سب بکھیرتی تھیں
بہیں اگر خون کی ندیاں بھی
نہیں تھا اس کو ملال کوئی
تمام جور وستم روا تھا!

نگلتی جاتی تھی ملک سارے
کبھی یہ خطہ کبھی وہ خطہ !
خوشامدی سوشلسٹ تھے جو
وہ اس کے ساتھی بنے ہوئے تھے
وطن پرستی کا بھرتے تھے دم
مگر وہ غدّار تھے وطن کے
تھی ڈھونگ اُن کی وطن پرستی
وہ چیختے تھے ، ہوں جیسے بندر
عوام تنگ آ چکے تھے ان سے

"یہ حکم تھا سارے ورکروں کو
بڑھے چلو زور و شور سے تم"
جہاں کی صورت کچھ اس طرح تھی
ہو ردّی لوہے کا ڈھیر جیسے
جو بڑھتا جاتا ہے لمحہ لمحہ
ملا ہوا انسان کا گوشت جس میں
ملی ہوئی ٹوٹی ہڈیاں ہوں !
کچھ ایسا ماحول بن چکا تھا
کہ جیسے ہو پاگلوں کی دنیا
فقط تھا اک ایسا شہر تنہا
کہ تھا ضمر ولڈ[۲۳] نام جس کا
بنا تھا امن و اماں کا مرکز
کہا تھا لینن نے جو وہاں پر

رہے گی یاد اس کی بھی اَبد تک
بلند للکار تھی وہ ایسی
کہ گھن گرج توپ کی ہو جیسے
خیال اس کے بھڑکتے شعلے
کہ آگ لگ جائے جن سے ہر سُو!

ہزاروں مزدور اک طرف تھے۔
جو رات دن کر رہے تھے محنت
کہ جنگ میں فتح مند ہوں وہ
مگر ادھر تھا اکیلا لینن
میانے قد کا وہ عام انساں
مقابل اس کے تھا توپ خانہ

سپاہیوں سے ہوا مخاطب
"کہ بورژوا تو دغا کریں گے
جو بس چلا تم کو بیچ دیں گے
تمہیں وہ مقتل میں بھیج دیں گے
ہزار بار ایسا کر چکے ہیں!
مگر میری بات یاد رکھو
نہ ہو گا پھر ایسا کھیل سن لو
بدل دو تم جنگ کا یہ نقشہ
جگہ جگہ اب ہو خانہ جنگی
کوئی بھی مُلک اس سے بچ نہ پائے!

کرو نہ لیت و لعل عزیزو
اٹھو! اٹھو! کامگار جاگو
مصیبتوں سے نجات پاؤ
جو زخم اپنے ہیں ان کو بھر لو
ہوا جو نقصان پورا کر لو
عَلَم اٹھاؤ جہاد کا تم
لڑو نئی جنگ تم یقیں سے
اجارہ داری کو ختم کر دو!

مگر جو تھیں دندناتی توپیں
وہ نارِ دوزخ اگل رہی تھیں
کچھ ایسا لگتا تھا بھون دیں گی
وہ دُبلا پتلا سا جسم اس کا
اُڑائیں گی اس کا پرزہ پرزہ
نہ لاش بھی اس کی مل سکے گی
کرے گا پھر کون یاد اس کو
نہ کوئی بھی اُس کا نام لے گا!

بہ یک صدا ملک سب پکارے
"شکست اپنی قبول کر لو"
وہ خوب اک دوسرے پہ برسے
دکھائی دیتا تھا وہ لڑیں گے
ہزاروں برسوں مگر ہوا کیا

لڑائی جب ختم ہو گئی تو
مقام حیرت کوئی نہ جیتا
سوائے لینن کی شخصیت کے
یہ جیت تھی صرف جیت اس کی !

ہے سامراجی نظام لعنت
ہو اس پہ لعنت، مدام لعنت !
ہمارا صبر و شکیب چھینا
ہے صبر تو جوہرِ ملائک
ہمیں کہاں صبر کا ہے یارا
ہمیں نہیں اب ستم گوارا !

شہنشہی کا غرور ٹوٹا
ہوا ہے کُل روس آج باغی
بہ سمتِ تورس تا آرکینجل
یہ سلطنت ہے نہیں یہ مرغی
نہیں مذاق اس پہ قابو پانا
یہ ہے وہ شاہیں کہ جس کے دو سر
ہے چونچ بھی خوب تیز اس کی
اور اس کو طاقت کا زعم بھی ہے !

مگر ہمارا کمال دیکھو !
شہنشہی کو لگائی ٹھوکر

مٹا دیا خاندان اس کا
اٹھا کے پھینکا ہے اس کو ہم نے
کہ جیسے سگریٹ کا ہو وہ ٹکڑا!

پھنسی ہے دلدل میں قوم ساری
پٹکتی ہے دست و پا مسلسل
کہ کس طرح اب وہ باہر آئے
کسی طرح اپنی جاں بچائے
یہ چُور زخموں سے ہو رہی ہے
نڈھال ہے، پیش بھکری ہے
یہ حال کب تک رہے گا اس کا
سنوارتی یہ رہے گی کب تک
امیر طبقے کا بخت و قسمت
یہ کیوں نہ ہو جائے سوویت اب؟

"عوام نے بڑھ کے توڑ ڈالیں
جو زار شاہی کی بیڑیاں تھیں
دہک رہی ہے زمیں یہاں کی
بھڑک رہے ہیں یہاں تو شعلے!"
بڑی بھیانک تھیں سب یہ خبریں
پڑھی تھیں لینن نے جو خطوں میں
پڑھیں جو اخباروں میں بھی اس نے
وہ ان دنوں روس میں نہیں تھا

سوئٹزرلینڈ میں مکیں تھا

یہ جتنے خبروں کے تھے تراشے

نتیجہ ان سے وہ کیا نکالے !

فقط یہ اس نے کیا ارادہ

اگر ہوائی جہاز ہوتا !

وہ اڑ کے فوراً وطن پہنچا

وہ ورکروں کی مدد کو آتا

لڑائی میں جو جٹے ہوئے تھے

تھی جن کو اس کی اشد ضرورت !

مگر بالآخر

ملا اسے حکم پارٹی کا

وہ ریل گاڑی سے روس پہنچے !

وہ مال گاڑی پہ چڑھ کے آیا

یہ مال گاڑی تھی جرمنی کی

لگی تھیں جرمن کی اس پہ مہریں

مگر یہ قیصر[۲۴] کو کیا خبر تھی

کہ اس کی گاڑی پہ جا رہا ہے

وہ ایک 'بم'، جو کہ ختم کر دے

شہنشہی آن بان اس کی !

★

جو شہری پیتروگراد کے تھے

ابھی اچھل کود کر رہے تھے

ابھی تیاری میں وہ لگے تھے

کریں گے لینن کا خیر مقدم

جو شانِ شایاں بھی ہوگا اس کے

مگر نیوٹسکی[25] میں پہنچے جنرل
پہن کے وردی، لگا کے رِبن
وہ جن کے ناپاک تھے ارادے
وہ آ گئے، تھے نشانہ باندھے
جو دو قدم لوگ بڑھتے آگے
تو ان کو آ کر وہ گھیر لیتے
وہ بس اشارے کے منتظر تھے
بجے گی پولیس کی جو سیٹی
تو ہوں گے فوراً وہ حملہ آور

جو بور ژوا تھے وہ تاک میں تھے
وہ تن رہے تھے اکڑ رہے تھے
کہ جیسے وحشت میں آ کے وہ سب
درندہ صورت بنے ہوئے ہوں!
ابھرتے دیکھا انہیں جو ہم نے
تو پیش منظر تھا مچھلیوں کا
دکھائی دیں پہلے چھوٹی چھوٹی
کہ جن کو دیکھے مذاق سوجھے
امڈ پڑیں شارک مچھلیاں پھر
نگلنا چاہیں جو قوم کو بھی!

پھر آگے دروانلسکی آیا
نہیں نہیں رلیا کوف[29] ہے وہ
مگر جو پہنچا ہے سب سے آخر
پرنس میخائل نام اس کا
وہ ہے ولی عہد سلطنت کا
کہ جس کو ہے شوقِ تاج پوشی
وزیر اعظم کو آتا دیکھو!
نشے میں طاقت کے جھومتا ہے
اکڑ اکڑ کے وہ چل رہا ہے
وہ جھوم کر گنگنا رہا ہے
ہے اس کا لہجہ بھی نرم و نازک
نہیں ہے اس میں وہ خوئے نفرت
جو ہے تمہارے کمستروں میں
مگر کبھی ایسا گنگنا نا
عجب طرح کے ہے گل کھلاتا
کہ جیسے غصے میں آکے کوئی
کسی کو ٹھوکر لگا دے یونہی

نہ گزرے تھے ہم مگر ابھی تک
کچھ ایسی سخت آزمائشوں سے
ستم جو جھیلے تھے فروری میں
جٹے تھے جب جہدِ حریت میں
"محاذ پر جا کے لڑ رہے تھے

نثار جانیں بھی کر رہے تھے"

جوان فوجی ــــــ

جو پل پڑے تھے ہمارے اوپر

اور ان کا جو ساتھ دے رہے تھے

جو اُن کی رونق بڑھا رہے تھے

انہیں جو اُکسا رہے تھے بے حد

وہ مدعی سوشلزم کے تھے

مگر تھے غدار قوم کے جو !

وہ خود کو کہتے تھے انقلابی

وہ ساؤنی[27] کوف کے تھے پیرو

مگر تھے وہ پہرے دار کتّے !

تھے منشی وِک[28] بھی تو ساتھ ان کے

بنے تھے مسکین جیسے بلّی !

دکھائی دی شہر میں اچانک

اک آرمڈ کار گڑگڑاتی

جو آئی فن لینڈ سے یہاں تک

عبور نیوا کو کر کے آئی

براستہ وائی برگ آئی

پھر اس کے آنے سے اٹھی آندھی

ملی نئی انقلابی قوت

بھڑک اٹھی پھر نئی بغاوت

لٹینی[29] پر بھیڑ لگ گئی یوں

جدھر بھی دیکھو، جہاں بھی دیکھو
بلاؤز اور ٹوپیوں کا منظر!

ہمارا لینن ہے ساتھ اب تو
کہو کہو زندہ باد لینن!
دکھائی لینن نے راہ سب کو
بڑھایا ہر اِک کا حوصلہ بھی
کہا یہ لینن نے ساتھیوں سے
کرو بھروسہ کبھی نہ یارو
فریب میں ان کے تم نہ آؤ
جو دام پھیلا رہے ہیں اپنا
"سماجی جمہوریت کے داعی!"
ملا دو مٹی میں پونجی وادی
مٹا دو ان کے حواریوں کو
بدل دو ان کا نظام سارا!

جہاں کے محنت کشو! کسانو!
تمہاری آواز ہم بنیں گے
تمہاری مرضی پہ ہم چلیں گے
ابھی تو آیا ہے دَور اپنا
امر رہے یہ جماعت اپنی
کمیونزم کو بنانے والی
امر رہے یہ جہاد اپنا

بڑھلائے گا سوویت کی طاقت !

یہ پہلا موقع ہے دیکھتے ہو
تم ایک جمِّ غفیر یارو !
قدم قدم آگے بڑھنے والا
یہ ہے جو انسانوں کا سمندر
ہے مدعا سوشلزم اس کا
حصول جس کا نہیں ہے آساں
مگر نظر صاف آرہا ہے
افق پہ تم سامنے جو دیکھو
پرے ذرا صنعتوں کے غل سے
چمک دمک اس کی زور پر ہے
کمیون کل کا یہی ہے یارو !
جب اس طرح کا نظام ہوگا
غلام ہوں گے نہ ہونگے آقا
نہ بورژوا اور نہ پرولتاری !

لگائی تھی جی حضوریوں نے
فریب کاری کی گانٹھ پکی
دیا جو لینن نے ایک لیکچر
پڑا وہ کلہاڑا بن کے ان پر
صدائیں اٹھتی تھیں دم بہ دم یہ
"کہا جو لینن نے سچ کہا ہے

جہاد کا وقت آگیا ہے"

کیا گیا زور دار حملہ
شہنشاہی کا یا محل کے اوپر
کہ جس جگہ پر سنبھل سنبھل کر
قدم کلاکاروں کے تھے پڑتے
جہاں کلار رقص کرتے
مگر یہاں آج، ٹاپ بوٹوں کی پڑ رہی ہے
وہ بوٹ فولادی ایڑی والے
پہن کے آئے جو حملہ آور!
یہی جگہ بن گئی تھی مرکز
جہاں پہ مزدور جمع ہوتے
جہاں پہ تربیت اُن کی ہوتی
بناتا فولاد ان کا لینن!

کہا تھا یہ بورژوا کو اس نے
"بہت چبائے ہیں تم نے تیتر
بہت اناناس تم نے کھائے
سماجی کیڑے مگر یہ سن لو
کہ ختم ہیں اب وہ دن تمہارے"

انہیں سے اب ہم حساب لیں گے
جو مال و زر ہضم کر چکے ہیں

جو عیش و عشرت اڑا رہے ہیں
یہ کیا کیا، کیوں کیا ہے ایسے ؟

۳۱ جولائی میں جب ہوئی ریہرسل
تو اپنے پستولوں کی وہ نالیں
تھے اپنے توندوں پہ تھپتھپاتے
نکوستے تھے وہ دانت اپنے
غضب کی نظروں سے دیکھتے تھے
وہ بولتے تھے کڑک کڑک کر
" غلام بلوائیو ! یہ سن لو
مزہ چکھائیں گے خوب تم کو "
یہ حکم کرینسکی[۳۲] نے لکھا
" کہ جلدی لینن کی جان لے لو
کرو گرفتار زینوویف[۳۳] کو "
بہ امرِ مجبوری پارٹی نے
رہِ فرار اختیار کر لی

چھپا تھا فن لینڈ جا کے لینن
وہ پہنچا رزلیف صحیح سلامت
بنا کے اک جھونپڑی وہاں پر
لگا حفاظت سے اب وہ رہنے !
تلاش میں اس کی گھومتے تھے
چہار جانب مخالف اس کے

کہ جیسے ہوں وہ شکاری کتے
مگر یہ محفوظ جھونپڑی ہے
جہاں تھا کھٹکا نہ خوف کوئی

ہماری نظروں سے تھا وہ اوجھل
مگر وہ تھا پھر بھی پاس اپنے
یہ وقت اور واقعات ہرگز
کہیں پہ ٹھہریں نہ راہ دیکھیں!
ہر ایک نعرہ تھا اس کا نعرہ
ہر ایک تحریک اس کی تحریک
نکالے منہ سے جو لفظ الیچ
زمیں ملے اس کو خوب زرخیز
وہ جلد سے جلد پھل بھی لائے
ہمارا مقصد پہنچتا جائے!

وہ دیکھو اب تو کسان لاکھوں
ہیں ساتھ لینن کے ورکروں کے
یہ اس کے حلقے میں آ گئے ہیں
قدم ملا کے جو بڑھ رہے ہیں
اور اب تو یہ طے بھی کر چکے ہیں
کہ ناکہ بندی فقط ہے باقی!
تب ایک دن انتخاب کر کے
پہنچ گیا پیٹروگراد لینن

یہ تان اڑاتا کہ "کامریڈو!
بہت کیا انتظار ہم نے"
" اُدھر تو سرمائے کا ہے پھندہ
اِدھر چبھن بھوک کی ہے بے حد
اُدھر ہے یلغار و سینہ زوری
اِدھر بھی پنہاں مخالفت ہے
یہ رخ پہ تاریخ کے ہیں دھبّے!
نظر جو آئیں گے آگے چل کے
ابھی تو نظروں سے ہیں یہ اوجھل"

مگر آئندہ
ہمیں جو آئے گا یاد یہ دن
دکھائے ہم سب کو صاف دے گی
شبیہہ لینن کی اوّل اوّل
جو راہیں ہموار کر رہا ہے
نجات ہم کو دلا رہا ہے
ہزار سالہ غلامیوں سے
مشقّت افلاس سے گزر کر
بڑھا رہا ہے ہمیں وہ آگے
کہ عہدِ زریں وہ لا رہا ہے
جو جوہرِ اشتراکیت ہے!

مصیبتوں کے برس یہ آخر

بنیں گے ماضی کا ایک قصہ
ہماری دنیا بنے کی کندن
جب اشترا کی تپش ملے گی

مہینہ اکتوبر آئے گا جب
خوشی کے میٹھے ثمر لگیں گے
کھلیں گے لالہ کے پھول ہر سُو !
پھر عہد ایسا بھی آئے گا جب
پڑھیں گے لینن کی ہم کتابیں
"پرانے فرسودہ حکم نامے"
بہائیں گے پڑھتے پڑھتے آنسو
دلوں میں اک ہُوک سی اٹھے گی

میں یاد کرتا ہوں بیتے دن جب
میں جب بھی ماضی کو دیکھتا ہوں
کہ کون سے واقعات گزرے ؟
تو مجھ کو ہوتا ہے ایک احساس
بلا جھجھک صاف صاف کہہ دوں
تھا انیس سو سترہ کا زمانہ
وہ ماہ دسواں پچیسواں دن
سمولینی[۲۴] سے جب اٹھا طوفاں
یہ سب سے افضل ترین دن تھا !

ہزاروں بحری سپاہیوں نے

گلوں میں ڈالے تھے اتنے گولے
کہ سارا جسم ان کا ڈھک گیا تھا
مشین گن کے چلانے والے
تھے کارتوسوں کی پیٹی پہنے
چمکتی سنگینیں ہر طرف تھیں
کہ برق کے جیسے شعلے چمکیں!
برآمدوں میں مچل رہے تھے
مچلنا بھی کچھ یونہی نہیں تھا
بموں، بندوقوں کی آزمائش
کہاں نئی ان کے واسطے تھی!
"سٹالن آیا ہے تم سے ملنے"

دکھایا اس نے "وہ حکم نامہ
دیا[۳۵] ٹراٹسکی نے جو اس کو
کہ ڈاک خانے پہ دھاوا بولو
تم آرمڈ کاریں لے کے جاؤ"
کہا یہ لینن نے "خوب ہے یہ"
تو وہ ہوا فوراً حملہ آور
"اروره[۳۶]"، جنگی جہاز پر سب
سپاہِ بحری ہوئی اکٹھی
لگے تھے سینوں پر ان کے رِبن
چمک رہے تھے دمک رہے تھے
کئی اٹھائے تھے ڈاک تھیلے

کئی کھڑے بحث کر رہے تھے
کلک کلک کرتی رائفلوں سے
لگے ہوئے کھیل میں تھے اکثر
وہ سب تھے ایک دوسرے سے بڑھ کر

اسی جگہ پر
پہنچ گیا پھر مدد کو لینن
کمال تیزی و سادگی سے
تھے اَن گنت لوگ ان میں ایسے
نہیں تھے جو روشناسِ لینن
مگر قیادت میں اب وہ اس کی
لڑائی میں حصہ لے رہے تھے!

مچا ہوا شور و غل تھا ہر سُو
مذاق ٹھٹھا بھی ہو رہا تھا
وہ پیار کی گالیاں بھی دیتے
"ہوئی ملاقات خوب" کہتے
یہی تھا وہ ہولناک طوفاں
کہ جس کے برسوں سے منتظر تھے!

وہ دیکھو لینن بھی آ گیا ہے
رکھے ہوئے ہاتھ پیٹھ پیچھے
لگے ہے جیسے تھکا ہوا ہے

ہے اُس کی آنکھوں میں نیند غالب
قدم بڑھائے تو رکتا جائے
مگر جمائے ہوئے نگاہیں
یہ خونیں منظر وہ دیکھتا ہے

مجھے ہے وہ روز یاد اب تک
جما کے نظریں وہ دیکھتا تھا
اس اک جواں کو جو سیج رہا تھا
لگائی تھی جس نے بوٹ پٹی
نظر بھی تھی اس کی تیکھی تیکھی
کہ جیسے ہو دھار اُسترے کی
پکڑ کے لاتی تھی یوں وہ ہر شے
کہ جیسے زنبور کھینچ لائے
ڈھکی ہوئی قلب کی صدا کو
محاورں لفظوں کی تہوں سے
مجھے تھا معلوم، اس نے سمجھا
وہ راز سارے ہوئے جو افشا

وہاں نگاہیں لگی ہوئی تھیں
جہاں جہازی تھے، کان کن تھے
جہاں سپاہی کسان سب تھے
نظر میں اس کی تمام قومیں
نگاہ میں سارے برّ اعظم

ہیں جتنے خطّے بھی اس زمیں کے
طلوع ہوتا جدھر سے سورج
جدھر ہے جا کے غروب ہوتا!
دماغ دنیا کے غم سے بوجھل
نہ شب کو اس کو سکون حاصل!
وہ صبح ہوتے ہی سب سے کہتا
" غلامو! میرا پیام سن لو
اپیل یہ خاص و عام سن لو
لڑو نہ آپس میں بے سبب تم
بنا نے دو سوویت حکومت
ملے گی فاقہ زدوں کو روٹی
کسانوں کو بھی زمین ملے گی
عوام کو بھی سکوں ملے گا
رہیں گی امن و اماں سے فوجیں"

وہ بورژوا ڈر کے مارے چیخے
جو خون پیتے تھے فوجیوں کا
انہوں نے جرنیلوں کو پکارا
" دخونن[۳] اور کارنیلوف آؤ
گوچکوف کرنیسکی بڑھو تم
اور آج ان کو مزہ چکھا دو"
مگر نہ اک گولی چلنے پائی
کہ آگے پیچھے بھی صفوں میں

ہر اک نے ہتھیار اپنے ڈالے
ملے جو حکم ان کو سوویت کے
ہوئے جو فرمان[۳۸] اُن کو جاری!

مگر یہ ہم آج جانتے ہیں
کہ کس نے کس کو مزہ چکھایا!
دلوں میں اَن پڑھ عوام کے بھی
ڈھلے ہوئے عزم آہنی تھے
جو بات نزدیک تک تھی پہلے
وہ بات اب دُور دُور پہنچی
صدا جو دھیمی تھی خوب ابھری
بلند پیغامِ امن دیتی
غریب لوگوں کے جھونپڑوں میں
مگر یہ محلوں کے واسطے تو
لیے ہوئے تھی پیامِ ہیبت!
پیامِ ہیبت یہ جنگ کا تھا!

جہاں جہاں بھی تھے کارخانے
وہ خواہ چھوٹے تھے یا بڑے تھے
بنایا میدان جنگ سب کو
نکالے شہروں سے آدمی یوں
مٹر سے دانے نکالیں جیسے!
اور اس گھڑی حال یہ تھا باہر

جو آگ پھیلی تھی اکتوبر میں
عمارتیں جس قدر جلی تھیں
نذر جو شعلوں کی ہو چکی تھیں
یہ ان سے صاف ہو رہا تھا ظاہر
کہ جہد تھی کامرانی ہماری ——

زمین تھی اک چٹائی اب تک
جہاں غریبوں کو پڑتے چابک
وہ اصل ہاتھوں میں آئی آخر
بمعہ تمام اس کی ملکیت کے
پہاڑ، میداں، ندی کہ صحرا
سبھی کو مضبوطی سے سنبھالا
لہو سے تر تھی وہ پیاری دھرتی
کہ جس کے پلنے کے خواب ہم سب
بہت ہی مدت سے دیکھتے تھے

سفید پوش عینکیں چڑھائے
جو یونہی نفرت سے تھوکتے تھے
یہاں سے خود کر گئے وہ ہجرت
چلے گئے ایسی مملکت میں
جہاں شہنشاہیت تھی قائم!
ہوا یہ اچھا وہ خود ہی بھاگے
ملی نجات ان سے ہم کو آخر!

سکھا کے باورچیوں کو حکمت
بنائیں گے ان کو منتظم ہم
چلائیں گے وہ نظام ملکی
مفاد میں ورکروں کے مل کر

بہ زورِ تحریر اور اشاعت
رہے بہر طور ہم سلامت
ہنکارتے اپنی خندقوں میں
یہ کالونی میں جرمنوں کے کہتے
"یہی مناسب ہے باہر آؤ
کہ بند کر دو یہ جنگ اب تو
جو ہو چکا بس وہی بہت ہے
بنیں ہم آپس میں بھائی بھائی"

کچھ اس طرح وہ محاذ ٹوٹا
کہ جیسے پانی کی باڑھ آئے
ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا
کہ اپنی کشتی ہوئی ہے چھلنی
جو خوب پانی سے بھر چکی تھی
مرمت اس کی بھی تھی ضروری
مقابلے میں بھی نکولس کے
تھا یوں بھی قیصر کا بوٹ بھاری
ہمیں یہ ڈر تھا ہمارا دشمن

اڑا نہ دے دھجیاں ہماری!

تب آگے آئے سماج وادی
بہ زعم خود تھے جو انقلابی
بچھائے لفظوں کا جال آئے
کہ سادہ لوحوں کو پھانس لیں گے
پہن کے آئے وہ زرّہ بکتر
مگر انہیں بھی پچھاڑا ہم نے
مٹایا نام و نشان ان کا
مٹائی سب آن بان ان کی
پرانی تیغوں سے، جن کو ہم نے
کباڑ خانے سے تھا خریدا
کہ جن سے ہم کھیلتے تھے اکثر!
مگر یہ لینن کا حوصلہ تھا
پلٹ دیا پھر سے اس نے پانسہ
سبھی کو پھر یوں کیا اشارہ
"کہ دیش کا بوجھ اٹھاؤ سارا
یہ کام بھی تو ہے پارٹی کا"

کریں گے منظور چار و ناچار
یہ عہد نامہ بریسٹ[۳۹] کا ہم
علاقہ کھونا پڑے گا پھر بھی
یونہی نہ ہم مفت میں مریں گے

ملے گی مہلت کی سانس ہم کو

جو وقت پائیں گے اس طرح ہم

اٹھائیں گے اس سے فائدہ یہ

کہ کر کے تیاری ہم دوبارہ

حریف سے لے سکیں گے بدلہ

مگر ہمیں ضبط کرنا ہوگا

ارادے مضبوط کر کے اپنے

یقین محکم سے کام لیں گے

تو ہم بھی فولاد بن سکیں گے

(ہر آزمائش پہ جان دیں گے)

یہی کہوں گا سبھی کو میں اب

کہ آؤ تم سرخ فوج میں سب ـــــ

★

مورخوں کی نظریں ہوں گے

جو ان دنوں پوسٹر چھپے تھے

بنے ہوئے کارٹون ان پر

مہیب ایسے کہ جیسے اجگر[۴۰]

وجود تھا ان کا یا نہیں تھا

مگر یہ ہم خوب جانتے ہیں

وہ بن گیا اژدہا حقیقی

جو دوڑا ہم سب کو کاٹنے کو

قسم خدا کی تھا پورے قد کا!

"ہماری تاب و تواں تو دیکھو

ہزار خطرے جو ہوں مقابل
مقابلہ ڈٹ کے ہم کریں گے
یہ آرزو تھی کہ کٹ مریں گے
بڑھائیں گے سوویت کی قوت"

ہوا جو آغاز معرکے کا
تو پہلا حملہ تھا ڈینی کن[41] کا
مگر اسے ہم نے خوب پیٹا
اجڑ گئے تھے گو اپنے گھر بھی
اِدھر مرمت میں ہم لگے تھے
اُدھر سے رینگل[42] نے دھاوا بولا
جو ڈینی کن ہی کا جانشیں تھا
لگائی اس کو بھی ضرب کاری
تو پھر کمک لے کے کلچک[43] آیا
نہ کچھ رسد پاس تھی ہمارے
نہ کوئی بستر نہ کوئی کپڑا
مگر لیے اپنا سُرخ پرچم
ہم آگے بڑھتے ہی جا رہے تھے

ہر ایک دل میں بسا تھا لینن
ہر ایک کا تھا خیال اس کو
ہزار ہا کوس چاروں جانب
جدھر بھی جاتے، جہاں بھی جاتے

محاذ و میدانِ جنگ ہی تھا!
مکاں مکاں میں گھسے تھے دشمن
مکاں مکاں خون مانگتا تھا
کمالِ ہمت سے ہم نے لیکن
بزورِ بازو جمایا قبضہ!

سماج وادی و انقلابی
وہ خیر خواہانِ زار شاہی
ہمیں ڈراتے تھے گولیوں سے
زباں سے بھی جھنجھوڑتے تھے
وہ کاٹنے کو بھی دوڑتے تھے
کہ جیسے ہوں وہ شکاری کتے
کہ جیسے زہریلے اژدہے ہوں!

جو تم نے کوشش کی مکلسن[۴۴] میں
کہ بڑھ کے لینن کی جان لے لیں
تم اس میں ناکام ہو چکے ہو
وقار اپنا بھی کھو چکے ہو
تلاشِ منزل اگر ہے تم کو
لہو وہ لینن کا لے کے نکلو
جو اس کے زخموں سے بہہ رہا ہے!

سماج وادی و انقلابی

زباں درازی میں خوب ماہر
تفنگ بازی میں بے سلیقہ
کسی طرح داغ بھی لیں گولی
تو اپنی ہی پسلیوں کو توڑیں
ہمیں نہ تھا خوف گولیوں کا
مگر یہ اندیشہ کم نہیں تھا
جگہ جگہ ڈھیروں گندگی تھی
تھی بھنبھناہٹ بھی مکھیوں کی
بخار اور قحط کا تھا خدشہ
تھا اس سے بہتر تو وہ زمانہ
جب ایک روٹی کے واسطے ہم
طویل یخ بستہ راستوں پر
قطاریں باندھے کھڑے کھڑے ہی
تمام دن یونہی کاٹ دیتے
مگر وہ دن اب گزر چکے ہیں!

تعجب ہے کہ وہ کارخانے
جہاز بنتے تھے جن میں پہلے
بنا رہے ہیں وہ لائیٹر اب
یہ کیسی پلٹی ہے ان کی کایا؟
چڑھاؤ پھانسی کہ جیل بھیجو
اڑاؤ سر ان کے، مار ڈالو
مگر غریب اس قدر ہیں بے کس

بنے ہیں محتاج وہ تمہارے
سوائے اس کے نہیں ہے چارہ
کہ اپنی روزی کما سکیں وہ
بنے ہوئے ہیں سبھی بھکاری!
مگر تھا کولک[45] امیر طبقہ
انہیں کمی کیا کہ پاس ان کے
تھا سیروں مکھن تو ڈھیروں روٹی
اور اس پہ چالاک بھی بہت تھے
چھپا کے رکھتے تھے جنس و نقدی
کہ وقت پڑنے پہ کام آئیں!

مگر بہت زور بھوک میں ہے
ہے اس کے حملے میں اتنی شدت
کہ گولیاں ہیچ اس کے آگے!
نہ لا سکے تاب اس کی کوئی
اجل کا لقمہ بنائے سب کو
جب ایسی مشکل کا سامنا ہو
تو کام آتی نہیں ہے نرمی
تب آہنی ہاتھ کام آئے
یہی تو لینن نے کر دکھایا
خلاف اس نے بھی کولکوں کے
شروع کر دی یہ کارروائی
اناج جو تھے دبائے بیٹھے

مقابلے میں انہیں کے بھیجے
خوراک کے اہلکار فوراً
کہ چھین کر سب اناج لائیں!

جب اس طرح پھیلی ابتری ہو
تو بات جمہوریت کی کرنا
بھلا کہاں کی ہے عقلمندی
نہ کام آتی ہے ہیرا پھیری
نہ حیلہ سازی کا بس ہے چلتا
فقط ہے سختی سے کام بنتا
اسی طریقے سے ہم نے آخر
بہ عزم فولاد فتح پائی ——

★

ہوئی تھی گو اپنی فتح لیکن
جہاز میں پڑ گئیں دراڑیں
شگاف بھی اس میں اَن گنت ہیں
شکن شکن فرش و سقف بھی ہیں
لگائیں رپٹیں کریں مرمت!
ہتھوڑا لاؤ کہ اس کو جوڑیں
اور انجن اس کے بھی گھس چکے ہیں
کہاں ہے ساحل کہاں کنارہ
بجھے ہوئے ہیں چراغ سارے
چلے چلو اب یہاں سے آگے

مچلتی لہروں کو پار کر لیں
سنبھال کر اپنا بادباں ہم
مگر ہے درپیش ہم کو خطرہ
کہ اس قدر بوجھ جب لدا ہو
جہاز جھکتا ہے دائیں جانب
الٹنے کا بھی ہے اس میں کھٹکا!

کسان تھے دس کروڑ پھر بھی
ہنسی اڑاتے تھے ان کے دشمن
مگر یہ لینن کی ذات ہی تھی
کہ جس نے ہمت سے کام لے کر
ہوا کی رخ کی طرف جو پھینکا
وہ بیس نقطوں کا فارمولہ
جہاز پھر ہو گیا وہ سیدھا
جو بوجھ سے پہلے جھک گیا تھا
ہوا کے رخ کی طرف بڑھا وہ
تب ایسا بھی ایک موڑ آیا
لگا کنارے جہاز اپنا ـــــــ
کمال حیرت کی بات یہ ہے
کہ تھم گیا جلد ہی وہ طوفاں!
کسان چھکڑوں پہ روٹی لادے
جگہ جگہ گھومنے لگے ہیں
لگائے ہیں بورڈ بھی انہوں نے

" یہ مال بکری کے واسطے ہے
جسے ضرورت ہو وہ خریدے "

نیا[46] پلان ایک اقتصادی
بنا کے لینن نے یہ بتایا
نہیں ہمیں اب کوئی بھی خطرہ
کہ بن چکے ہیں جہازی پکے
جہاز گو اپنا گھس چکا ہے
اور ہم بھی کچھ کچھ تھکے ہوئے ہیں
مگر مرمت بھی کر رہے ہیں
کمال ہمت سے بڑھ رہے ہیں
اور اب تو طوفان تھم چکا ہے !

کیا یوں لینن نے پھر اشارہ
خیال بھی تھا عظیم اس کا
خلیج جو اپنے سامنے ہے
نہیں ہے اس میں چٹان کوئی
مگر ہیں مضبوط سب کنارے
کوآپریٹو ادارے جیسے ——
اور اس طرح باسلیقہ آخر
جہاز یہ جو تھا سوویت کا
جو بھاری بھرکم بھی ہو گیا تھا
پہنچ گیا اپنی کارگہ میں

جہاز کی تا کہ ہو مرمت!
کیا تھا لینن نے کام خود بھی
لگایا لوہا لگائی لکڑی
مرمت اس کی تمام کر دی!
کڑی نظر اس کی ہر طرف تھی
لگاتا تھا کارگر نشانے
بناتا تھا کامیاب خاکے
کہ آنے والے دلوں میں کیونکر
کوآپریٹو سٹور کھولیں
ہو کیسا ان کا نظامی ڈھانچہ؟

سنبھالی ڈیوٹی پھر اس نے پُل پر
جہاں وہ پہلے ڈٹا ہوا تھا
جلائیں قندیلیں چاروں جانب
اِدھر اُدھر اور آگے پیچھے
کہا یہ اس نے ——
کریں گے روز اب محاصرے ہم
نہ ہوں گے اب وہ اچانک حملے
کہ جیسے ہم کر رہے تھے پہلے
ہٹے تھے ہم ابتدا میں پیچھے
مگر یہ پسپائی عارضی تھی
وقار کی اس میں بات کیا ہے؟
بڑھیں گے اک بار اور آگے

نہ اب کبھی ہم ہٹیں گے پیچھے !

یہ روس کی کمیونسٹ جماعت ــــــ
جہاز کا جس قدر ہے عملہ
سبھی کا ہے پارٹی سے رشتہ
رہے گا کمیون صدیوں زندہ
ہے اک دہائی کی کیا حقیقت !

یہ اقتصادی پلان اپنا
مثال ہے دلدلی زمیں کی
اسے کرو پار حوصلے سے
بڑھیں گے آگے کریں گے تعمیر
بلند ہمت سے حوصلے سے
اگرچہ رفتار سست ہوگی
مگر نہیں غم ہمیں کچھ اس کا
غرض ہے اپنی تو صرف اتنی
کہ خوب مضبوط ہو عمارت
ہو اپنی تعمیر غیر فانی !

یہ انفرادی ادارے سارے
ہیں ایک دلدل کا روپ دھارے
ہمارے رستے میں ہیں یہ حائل
ہیں سدِّ راہ ترقی اپنی

ہمیں ہٹانا پڑے گا ان کو!

یہ جمگھٹا کالے بادلوں کا
تمام دنیا پہ چھا گیا ہے
کہ جیسے طوفان آرہا ہو
مگر یہ بادل بھی چھٹ رہے ہیں
دکھائی دیتے ہیں صاف اب تو
چمکتی بجلی کے پہلے دھارے
پرانے دشمن ہوئے ہیں غائب
مقابلے میں نئے عدو کے
مِلا جو تھوڑا سا وقت ہم کو
ہمیں یقین ہے کہ جلد پھر ہم
کریں گے افلاک سارے روشن
مگر یقیناً یہی ہے بہتر
یہ بات تحریر میں نہ آئے
عمل سے ثابت کریں اسے ہم!

اور آج تو ہم یہ جانتے ہیں
ہو ڈائریکٹر کا کوئی دفتر
کہ کارخانہ خراد کا ہو
جگہ جگہ چھا گئے ہیں کمیون
پرولتاری ہوئے ہیں فاتح
ظفر کا معمار بھی ہے لینن!

پرانا سکہ تو بند ہوگا
اور اب وہ مطلق نہ چل سکے گا
چمکتے کوپک ہوئے ہیں جاری
ہیں جن پہ کندہ ہتھوڑا ہنسیا
ملیں ہمیں کامرانیاں جو
وہ پہلے سے بھی تھیں دگنی تگنی
ورق ورق جن سے زرفشاں ہے
عظیم لینن کی داستاں کا

یہ انقلابات آئے ہیں جو
یقیناً ان کو عوام لائے
نہیں یہ ممکن اکیلا انساں
اٹھا سکے بوجھ اتنا بھاری
مگر نہیں شک ذرا بھی اس میں
کہ ایک لینن کی ذات ہی تھی
رہی جو سب ساتھیوں سے برتر
تھا دل بھی مضبوط خوب اس کا
ارادے بھی اس کے آہنی تھے

کئی ممالک نے کی ترقی
عظیم لینن کی پیش گوئی
انہوں نے کر کے دکھائی پوری
تھے ان گنت لوگ گورے کالے

جو آئے اس کے عَلم کے نیچے

یہ بورژوا اور یہ سامراجی
ہے جن کی تعداد گھٹتی جاتی
ہیں آج تک باعثِ مصیبت
بنے ہیں دنیا کے گویا حاکم
مگر جھکاتے ہیں اپنا سر اَب
اُتار کر ہیٹ و تاج اپنے
یہ روسی جمہوریت کے آگے
ابھی جو کم سن ہے ایک بچہ
کہ جنم داتا ہے جس کا لینن!

نہیں ہے زردار کا ہمیں ڈر
ہمارا انجن تو چل رہا ہے
دھواں بھی ہے پیچ دار اس کا
(جو اپنی خود داری کا ہے مظہر)
مگر اچانک خبر یہ آئی
خبر بھی تھی دل ہلانے والی
کہ چوٹ ایلیچ نے سخت کھائی ــــ

اگر کسی بالشویک گریاں
کو میوزیم میں ستادہ کرتے
وہاں لگی رہتی بھیڑ دن بھر
نظارہ یہ دیکھنے سب آتے
نہیں یہ حیرت کی بات کوئی
بشر کوئی اس کی ہمسری کا
نہ دیکھ پاؤ گے تم اَبد تک!

لگائے تھے پول رہزنوں نے
ہمارے جسموں پہ مار کے بھی
نشاں ستارہ تھا پنج کونہ
تھے ڈاکو بھی مام توف[۴۷] کے وہ
جنہوں نے زندہ زمیں میں گاڑا
ہمیں دبایا تھا گردنوں تک
لٹیرے جاپانیوں نے بھی تو

ہمیں تھا بھاپ انجنوں میں جھونکا
ہمیں جلایا گیا تھا زندہ
بھرا دہانوں میں پگھلا سیسہ
زبان بندی ہوئی ہماری
ہمیں کیا گولیوں سے چھلنی
وہ غصّے میں یوں چنگھاڑتے تھے
"کہ کمیونزم سے توبہ کر لو"
مگر صدا یہ سنائی دیتی
چتا سے ان کی جو جل رہے تھے
"کہ زندہ باد اپنا کمیونزم"

وہ دن تھا بائیس جنوری کا
کہ جب ہوئے سوویت اکٹھے
تھی سوویت کانگرس کی بلڈنگ
وہ پانچ منزل کی اک عمارت
جہاں پہ تھا اجتماع ان کا
تھے جوق در جوق لوگ آئے
نہیں تھا ممکن شمار ان
تھا ایک سے ایک بڑھ کے ان میں
ابھی تو آرام کا تھا وقفہ
وہ بیٹھے گپیں اڑا رہے تھے
مذاق آپس میں کر رہے تھے
محاوروں ہی محاوروں میں

وہ کام کی گفتگو بھی کرتے
" یہ وقت ہے ابتدا کریں ہم
خموش بیٹھے ہیں راہبر کیوں ؟
شروع کرتے نہیں ہیں وہ کیوں ؟
پریذیڈم میں کمی بھی کیا ہے ؟
ہیں آنکھیں کیوں آج سرخ ان کی
کہ جیسی ہوتی ہے سرخ مخمل !

اُدھر ذرا کالینن کو دیکھو
قدم کیوں اس کے ہیں لڑکھڑاتے
ہوا کوئی خاص واقعہ ہے
مگر نہیں کچھ ہمیں بتاتے
سبھی وہ بیٹھے ہیں چپ سادھے
ہوا ابھی اس کو تو کیا ہوا ہے
نہیں نہیں ایسی بات کیا ہے"
مگر گری چھت ہمارے سر پر
اچانک ایسے کہ جیسے کوئی
شکار پر اپنے باز جھپٹے
ہمارے سر ہو گئے تھے نیچے
جھکے ہوئے ہم تھے ڈر کے مارے
زمین کو جیسے چھو رہے ہوں !

محیط اچانک ہوا اندھیرا

تمام فانوس بجھ گئے تھے
نہ ٹنٹنانا تھا گھنٹیوں کا
گلا دبایا تھا خامشی نے!
عجب تذبذب میں کا لینن تھا
وہ بارہا اٹھتا بیٹھتا تھا
تھے اس کی آنکھوں سے اشک جاری
نہ رکتے تھے روکنے سے آنسو
وہ دیکھو مونچھیں ہیں بھیگی بھیگی
چمکتے قطرے ہیں ریش پر بھی
بدن میں شعلے بھڑک رہے ہیں
نہ ان کے بجھنے کی آس کوئی
خیال میں بھی فسردگی تھی
دماغ اس کا نہ تھا ٹھکانے
سر اس کا نیچے ڈھلک گیا تھا
جھکی سی دیوار جس طرح ہو
"کہ شام کے چھ بچا س پر کل
وفات لینن کی ہو چکی تھی"

★

نظارہ جو اس برس نے دیکھا
نصیب ہوگا نہ صدیوں تک
ہمیشہ آئے گا یاد یہ دن
اور اس کی یہ دکھ بھری کہانی
لہو رلائے گی ہم کو برسوں!

دہن سے بھونپو کے چیخ نکلی
بڑی بھیانک تھی چیخ اُس کی
سسک رہے تھے بہ چشم پُرنم
جو صف بہ صف بالشویک آئے
رواں تھے موجوں کی طرح آنسو
تھے اس قدر ان کے جسم بوجھل
کہ چلتی پھرتی ہوئی جیسے لاشیں!

"مفصّل احوال کچھ تو پوچھیں
کہ کب ہوئی موت اور کیسے!
چھپا رہے ہیں وہ کیوں یہ سب کچھ"
کہ بھیڑ سی جمع ہو گئی ہے
یہ بولشوئی کے تھیٹر میں
نظارہ ہے پیش موت کا اب
اٹھائی جائے گی اس کی ارتھی
سفید و سادہ کفن میں لپٹی
سڑک سڑک سے وہ گزرے گی اب!
خوشی کی رفتار کیڑی جیسی
مگر ہے رفتار تیز غم کی
نہ چمکا سورج نہ برف چمکی
یہ دونوں گویا فسردہ سے تھے

سیاہ اخبار تھے جہاں کے

کہ جیسے کالک پتی ہوئی ہو
سیاہ تھی برف کی قبا بھی
کچھ اتنی تیزی سے بات اُڑی یہ
کہ جیسے بندوق کی ہو گولی!

تھا جو بھی مصروفِ کار ورکر
جھلس گیا اس کا تن بدن بھی
ڈھلک گئے اس کے رخ پہ آنسو
تھیں آنکھیں اس کی چھلکتے ساغر!
اور اس کے اوزار تر بتر تھے

کسان بے حال ہو رہا تھا
وہ سوکھ کر ہو گیا تھا کانٹا
تلاش کرتی تھی موت اس کو
مگر وہ جیتا تھا اور نہ مرتا
بچا کے بیوی کی آنکھ آخر
گیا وہ گوشے میں بارِ غم سے
مگر لیا دیکھ بیوی نے بھی
کہ مٹھی اس کی ہے گرد آلو!

تھے لوگ ایسے بھی سخت جاں کچھ
کہ جیسے پتھر کی مورتیں ہوں
مگر وہ دانت اپنے بھینچتے تھے

ہوئے تھے ہونٹ ان کے ٹیڑھے میڑھے
تھے بچے بھی سارے غم میں ڈوبے
کہ جیسے وہ ہو گئے ہوں بوڑھے
بزرگ بارلیش جتنے بھی تھے
وہ ایسے روتے تھے جیسے بچے!
ہوا زمیں پر جو چل رہی تھی
وہ چیختی تھی کراہتی تھی
کہ رات بھر جیسے درد سے وہ
نہ سو سکی ہو، اداس سی ہو
اٹھا سکی ہو نہ وہ یہ صدمہ!
پڑی ہے لاش اس کی ماسکو میں
بنی ہے اس کمرے کی وہ زینت
بچھی ہے کہرے کی اس پہ چادر!

یہ لاش کس کی ہے، کس کی میت
وہ بیٹا جو انقلاب کا تھا
وہی تو خود اس کا باپ بھی تھا
وہ مر گیا اب تو مر گیا وہ
ہے رائیگاں اب تمام کوشش
بس ایک شیشہ ہے جس کے نیچے
پڑا ہوا ہے اب اس کا لاشہ!

پولیتسکی سے اٹھی ہے میت

گزر رہی ہے وہ شہر سے اب
وہی نوابوں کا شہر جس کو
کرایا آزاد خود اسی نے!

سڑک بنی ہے اک ایسا ناسُور
خراب سے جو خراب تر ہے
شدید اتنا ہے کرب اس کا
ہر ایک دل کو جو چھیدتا ہے
ہوئے جو ماہِ دہم میں حملے
ہوا تھا شر اس گھڑی جو پیدا
ہے ذاتِ لینن سے تب سے واقف
گلی گلی کا ہر ایک پتھر

یہ سارے نعرے دئے تھے اس نے
لکھے ہیں جو آج پرچموں پر
تھے ان کے الفاظ اس نے جوڑے
کھڑے ہوئے ہیں یہاں جو مینار
وہ اس کی تقریریں سن چکے ہیں
وہ داد بھی اس کی دے چکے ہیں.
کریں گے وہ اس کی پیروی بھی
چلیں گے نقشِ قدم پہ اس کے
وہ بے غرض ہو کے جان و دل سے
یہاں سبھی اس کو جانتے ہیں

یہ کارخانے یہ سارے دفتر
ہیں ذاتِ لینن سے آشنا سب!

بچھائیں دل اس کی راہ میں ہم
بچھی ہوئی ہیں زمیں پہ جیسے
صنوبروں کی حسین شاخیں
ہماری اس نے کی رہنمائی
بنایا فولاد اس نے ہم کو
ظفر کی پیشین گوئیوں سے
نتیجہ بھی اس کا دیکھئے گا
ہوئے ہیں غالب پرولتاری!

کئی ہیں مشہور نام یوں تو
کہ ذکر انجیل میں ہے جن کا
مگر کسانوں کو ان سے بڑھ کر
کہیں ہے لینن کا نام پیارا
کہ جس کے فرمان سے بنے ہیں
وہ مالک اپنی زمین کے اب
ہوا ہے وہ خواب ان کا پورا
شہید جس کے لیے ہوئے تھے
بزرگ ان سب کے لڑتے لڑتے!

جو مقبرے لال چوک میں ہیں

کیمونئے جن میں سو رہے ہیں
وہاں سے آتی ہیں کچھ صدائیں
کہ جیسے ہوتی ہو کانا پھوسی
وہ کہہ رہے ہیں "ہمارا پیارا
خدا سلامت رکھے، جیو تم
نہیں تمنا کچھ اور اپنی
ہم اپنی جانیں کریں گے قرباں
جنم جنم اک تمہاری خاطر"

یہ معجزہ ہو کسی کے بس میں
کہ ہم مریں اور ہمارے بدلے
جِلا سکے جو تمہیں دوبارہ
وہ آکے کر دے ذرا اشارہ
گلی میں لگ جائے بھیڑ اتنی
جگہ نہ تل دھرنے کی وہاں ہو
ہزاروں روسی خوشی خوشی سے
فدا کریں گے عزیز جانیں
مگر کہاں ہے یہ بات ممکن
فقط ہے لینن کا یہ جنازہ
جو اپنے کاندھوں پہ جا رہا ہے!

وہ ایک انساں تھا صرف انساں
کہ جیسے ہوتے ہیں عام انساں

(نثار اس پہ ہے آدمیت)
ہمیں یہ صدمہ بھی سہنا ہوگا
ہے چارہ بھی کیا سوائے اس کے
سلگنا انساں کا ہے مقدّر
کبھی نہیں دیکھا ایسا منظر!
یہ سرخ تابوت، یہ جنازہ
ہے کس قدر قیمتی اثاثہ
اٹھائے کندھوں پہ جس کو لاکھوں
عوام کا ہے یہ سیل جاری
جو رو رہے ہیں سسک رہے ہیں
اور ان کے کندھے جھکے ہیں!

سلامی ایسی اور اتنی تنظیم
کسی مجاہد کو کب ملی تھی؟
جو اس کی امّت نے اس کو دی ہے
یہ وارث اس کی بصیرتوں کے
یہ اس کی تاب و تواں کے وارث
کہ جن کی تعداد اَن گنت ہے
جو دُور و نزدیک سے ہیں آئے
جو آج بے صبر ہو رہے ہیں!

ہے یاد سَن سترہ (۱۹۱۷ء) کا زمانہ
لگی تھی روٹی کی جب قطاریں

محال تھا انہیں چھوڑنا گو
کہ بھوک سے کوئی مر نہ جائے
مگر کئی لوگ چھوڑ جاتے
ارادہ کر کے کہ کھائیں گے کل
مگر قطاریں جو اب لگی ہیں
انہیں کوئی چھوڑتا نہیں ہے
کھڑے ہیں بچے، کھڑے اپاہج
اگرچہ ہے یخ زدہ یہ موسم
ہوئے ہیں شہر اور گاؤں یکجا
ہوئے ہیں چھوٹے بڑے اکٹھے
سبھی ہیں ماتم کناں وگریاں!
یہ ورکروں کا جہان دیکھو
پریڈ کرتا جو جا رہا ہے
یہی ہے لینن کی زندہ امت!
یہی تو ہے اُس کی کُل وراثت!

چمکتے سورج کی کرنیں دیکھو
درختوں کے درمیاں سے گزریں
مکانوں کی چوٹیوں پہ پھیلیں
مگر ہے رنگ ان کا پیلا پیلا
کہ جیسے ماتم کناں ہوں چینی
جو اپنی قسمت کو رو رہے ہیں!

دِلوں کے کاندھوں پہ آئی راتیں
یہ گھڑیاں بے چین کر رہی ہیں
ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے
کہ جیسے تاروں بھری یہ راتیں
نہیں ہیں راتیں، ہیں یہ وہ حبشی
جو چل کے آئے ہیں امریکہ سے
جو غم کے آنسو بہار رہے ہیں!

پڑا ہے اس بار سخت پالا
جو ہم نے پہلے کبھی نہ دیکھا
کہ پاؤں زخمی ہوئے ہیں سب کے
مگر یہ دن بھی گزارے ہم نے
بڑی گھٹن ہے، بڑی چبھن ہے
کہاں ہے ہمّت مگر کسی میں
رگڑ کے ہاتھ اپنے گرم کرتے
سبھی ہیں خاموش، سہمے سہمے

غضب کا پالا جو پڑ رہا ہے
عذاب لوگوں کو دے رہا ہے
کہ امتحاں سب کا لے رہا ہے
عقیدت ان کی ہے کتنی گہری؟
یہ بھیڑ میں گھس گیا ہے ایسے

کہ سانس لینا ہے سخت مشکل
عوام کے ساتھ ہو کے مدغم
یہ پیچھے کھمبوں کے چھینکتا ہے!

قدم جمے ہیں چٹان جیسے
غضب کا سناٹا چھا رہا ہے
رُکی ہیں سانسیں، رُکی ہیں آہیں
گزر ہو اس کے قریب کیوں کر!
بڑا ہی پُر ہول ہے یہ منظر!
کہ سخت تاریک پستیوں میں
قدم نہ دو چار نیچے جائیں
اترنا نیچے ہے سخت مشکل!

نہ پیسے دھیلے کی کوئی منطق
غلامی سے دورِ زرگری تک
اُتار کیسا؟
کنارے رکھا تھا وہ جنازہ
کہ جس میں لپٹا ہوا تھا لینن
کمیون تھے کچھ ہی فاصلے پر
کہ جن کی شوکت تھی خود پریشاں
نظر نہ آتا تھا ماسوائے
جبینِ لینن، اور اس کی بیوی
ندیژدا کانسٹینٹی[۴۹] ــــــ

پریشان حال اور غم میں ڈوبی !

جن آنکھوں میں کم بھرے ہوں آنسو
انہیں نظر آتا ہے زیادہ
ہے میرا بھی حال اس طرح کچھ
کہ صاف آنکھوں سے میں نے اکثر
خوشی کے دیکھے ہیں دن ہمیشہ !

علم جو پھہرائے تھے، جھکے وہ
کہ پیش تھی آخری سلامی
تھے جا بجا ریشمی پھریرے
" ہو کامریڈ الوداع تجھ کو
کہ نیک تر زندگی تھی تیری
گزار کر جس کو جا رہا ہے۔"

ستم ہوا، بند کر لو آنکھیں
قدم بھی آہستہ سے بڑھاؤ
طویل ہیں رنج و غم کی راہیں
یہ غیر محدود سلسلہ ہے
اگر کریں غور ایک لمحہ
فقط یقیں کی ہے بات اتنی
کہ اک حقیقت کا سامنا ہے

یہ کیسی موجِ نشاط اٹھی
ہوں میں سُبک تن مثالِ یک پر
جو بہ رہا ہو اس آبِ جُو میں
ہیں جس کی لہریں ترنّم افزا
پریڈ کی اس صدا کی مانند
کہ ساتھ میں جس کے جا رہا ہوں!

میں جانتا ہوں مجھے یقیں ہے
کہ ایک لمحے کی روشنی جو
مجھے ملی آج دیکھنے کو
رہے گی اس کی چمک ہمیشہ!
نشاط کی انتہا نہ پوچھو
کہ میں بھی اس سَیل میں تھا شامل
بہائے مل جل کے جس نے آنسو
ملاپ پاکیزہ تھا وہ کتنا؟
تھا کس قدر شاندار جذبہ
کہ ہم ہوئے تھے سبھی اکٹھے
جسے کہا جائے اک جماعت!

جھکے سبھی جھنڈے باری باری
بلند ہوں گے یہ پھر کبھی جب
جہاد اپنا کریں گے جاری
"عزیز بھائی"

عقاب جیسی تمہاری آنکھیں
ہمیں نے خود ہی تو بند کر دیں "

اٹھا کے میت جو چل رہے ہیں
جو آئے ہیں الوداع کہنے
چلے ہیں شانہ بہ شانہ وہ سب
کہ راہ میں کوئی گر نہ جائے
ہیں ان کے ہاتھوں میں کالے جھنڈے
ہیں لال رو رو کے ان کی آنکھیں
بھری ہوئی ہیں جو آنسوؤں سے
وہ دھیرے دھیرے سے چل رہے ہیں
وہ مقبرے تک پہنچ گئے ہیں

ہوئیں ادا پھر رسوم میت
ہوئیں تقاریر بعد میں کچھ
یہ سب بہت خوب تھا، پہ غم ہے
یہ ایک لمحے کا کھیل تھا سب
دل و نظر کی یہ آرزو تھی
اُسے اٹھا کر گلے لگاتے
اور اس طرح کچھ سکون پاتے!

کھڑے قطاروں میں لوگ باہر
مہیب نظروں سے تاکتے ہیں

سپاسکایا کے گھنٹہ گھر کو
ہے کہر آلود جس کا چہرہ
کہ سوئیاں جس کی ناچتی ہیں
یہ رقص لگتا ہے احمقانہ
منٹ کی سوئی ہے بھاگی جاتی
ابھی فقط اِک منٹ ہے باقی
کہ ختم اب آخری گھڑی ہے
خبر سنی یہ تو رُک گئے سب
کہ ساری دنیا ہو جیسے گونگی
نہ کوئی حرکت، نہ کوئی جنبش
کہ جیسے سانسیں رکی ہوئی ہوں!

ہتھوڑا تم نے اٹھایا اُوپر
مگر ہوا ہاتھ شل تمہارا
زمین نیچے دھنسی ہوئی ہے
ہوئی ہے بےحس، جمی ہوئی ہے
جہاں تہاں ایک خامشی ہے
کہ آج آخر وہ مرچکا ہے
عظیم سب سے جو تھا مجاہد!

ہزار توپیں چلی تھیں شاید
پہ اتنی دھیمی گرج تھی ان کی
کہ جیسے کشکول میں ہیں بجتے

گر لانے کے وقت چند سکتے !

میں اپنی نظروں پہ زور ڈالے
اکڑ کے ایسا کھڑا ہوا ہوں
کہ سانس جیسے رُکی ہوئی ہو
یہ میری آنکھوں کی پتلیاں بھی
جو ناتواں ہیں بنی ہیں بوجھل
میں دُور سے بھی کراہتا ہوں !

چمکتے جھنڈوں کے درمیاں سے
میں سامنے اپنے دیکھتا ہوں
سیاہ یکسر ہے کرۂ ارض
(خموش گم سم ہو موت جیسے)
اور اس پہ رکھا ہے یہ جنازہ
کہ جس کے ماتم میں نوحہ خواں ہے
تمام مخلوق اس جہاں کی !
نمائندے سب مملکتوں کے
جو انقلابات سے ہیں گزرے
جنہوں نے طوفان بھی ہیں دیکھے
جنہوں نے تعمیر کے ذریعے
مکمل اس کام کو ہے کرنا
پڑی ہے بنیاد آج جس کی !

اب اس جگہ سے
بنی ہے محرابِ سرخ جس جا
جھکے ہوئے ہیں تمام پرچم
صدا امرالوقت[51] کی یہ آئی
"بڑھے چلو تم ، بڑھے چلو تم"
یہ حکم جو اس قدر ہے واضح
سُنانا اس کا تھا کیا ضروری !

ہماری سانسیں تھیں پھولی پھولی
بدن ہمارے ہوئے تھے بھاری
کہ جیسے ہوتا ہے بھاری سکّہ
بڑی سعی سے گھسیٹتے تھے
قدم ہمارے بھی ایسے پڑتے
کہ جس طرح پڑتے ہیں ہتھوڑے
بڑھے یونہی چوک سے ہم آگے
سروں کے اوپر ہمارے جھنڈے
جنہیں تھے مضبوط ہاتھ تھامے
بلندیوں میں جو جھومتے تھے
وہ فرض اپنا نبھا رہے تھے
کہ جس کی اس وقت تھی ضرورت
ہماری بڑھتی صفوں کی قوت
جو پا رہی تھی جہاں میں وسعت
لیے تھی دامن میں اک تخیّل

جو دین ہے دردِ مشترک کی!

یہ درد بھی تھا ہر ایک دل میں
سپاہی ہو یا کسان کوئی
کہ فیکٹری کا خراد یا ہو
سبھی کو یہ فکر کھا رہی تھی
"کہ کام جمہوریت کا چلنا
بغیر لینن ہے سخت مشکل"
جگہ بھی لے گا تو کون اس کی
یہ ہوگا سب کچھ تو کیسے ہوگا!

کہا سکتے سے ساتھیوں نے
"کہ اونگھتے ہم رہیں گے کب تک
چٹائیوں پہ، ہیں جن میں کھٹمل
ہماری عرضی یہ ہاتھ میں لو
بناؤ تم سب کو اپنا ممبر
ہے جتنا بھی عملہ فیکٹری کا
سبھی کو تنظیم سے ہے الفت"

نہ پونجی پتیوں کا حال پوچھو
یہ دیکھ کر وہ جلیں بھُنیں یوں
کہ تن سے ٹھنڈے پسینے چھوٹیں
وہ غصے میں اپنے دانت پیسیں!

چہار لک ورکشاپ ورکر
بنے نئے پارٹی کے ممبر
کہ اس سے بہتر کوئی بھی تحفہ
نہ پیش لینن کو کر سکے گی
خراجِ تحسیں کا یہ جماعت!
سنو سکتر، ہمارے بھائی
کہاں ہے اب وہ قلم تمہارا؟

ہر ایک شے کا بدل ہے ممکن
فضول ہے لفظی ہیرا پھیری
جو سمجھو میں ہو گیا ہوں بوڑھا
تو لو یہ حاضر ہے میرا پوتا
جواں کمیونسٹ لیگ کا یہ
بنے کا ممبر نیا یہ پنچھی!

بڑھو بڑھو میرے بحری بیڑے
بڑھو بڑھو بحری کشتیو تم!
جو اپنی منزل ہے اس پہ جاؤ
جو فرض اپنا ہے وہ نبھاؤ
سنو ہمارے جہاز رالو!
خوشی خوشی تم سفر پہ جاؤ
سمندروں کو کھنگال ڈالو!

چمکتے سورج ! ادھر تو دیکھو
نڈھال کتنی ہے غم سے دنیا
چمک سے اپنی کرو مداوا
یہ غم کی جھریاں سبھی مٹاؤ
نہ رہنے پائے نشاں الم کا !

کھڑے ہیں بچے قدم ملا کے
قطاریں والدین کے ساتھ
دکھا رہے ہیں وہ خوب چستی
بگل بجاتے ہیں صبح صبح
یہ گیت گا کر سنا رہے ہیں
"کہ ایک دو تین ہم کہیں گے
بنیں گے ہم رہ نما جہاں کے
ڈریں گے ہر گز نہ آمروں سے
ہو جس میں ہمت وہ آزمائے"

پُرانا یورپ تو مفت ہی میں
نکمّے سگ کی طرح غرّائے
" ہم اس کو تنبیہہ کر رہے ہیں
کہ ہم سے پیچھے ہٹا رہے وہ
یہی ہے بہتر بنے وہ دانا !"

بنی ہے لینن کی موت ہی تو

عظیم تنظیم کا سبب اک
تمام دنیا پہ چھا گئی یہ
جہاں جہاں بھی ہیں کارخانے
کہ جیسے گنجان درخت پھیلے
ہے جاگزیں ان کے بیچ دیکھو
بہت بڑا لال چوک ایسے
کہ جیسے لہرائے کوئی پرچم
ہزاروں ہاتھ اس کو تھامے رکھیں
ہوائیں زوروں سے پھرپھرائے
تہوں سے آواز اس کی آئے
امر ہے لینن، امر ہے لینن!

تیار ہو جاؤ کامگارو!
اب آخری ہلّہ بولنا ہے
کمر کو سیدھی کرو غلاموں!
بڑھو تم آگے پرولتاری
بڑھاؤ خوب اپنی تاب و طاقت
شتاب، ہم فتح مند ہوں گے
امر رہے انقلاب اپنا!
نہیں ہے کوئی جواب اپنا!

یہ حق پرستی کی جنگ اپنی
عظیم و بے مثل کس قدر ہے

کسی زمانے میں آج تک بھی
نہیں ہوئی کوئی جنگ ایسی
گواہ تاریخ ہے جہاں کی ــــــ

★

۱ـــــ فیلکس ایڈمنڈ وِچ زرژنیسکی اس وقت کا عوامی کمیسار برائے امورِ داخلہ لینن کا پکا پیروکار۔

۲ـــــ ماسکو کے مرکز میں ایک تاریخی عمارت جہاں جنوری ۱۹۲۴ء میں لینن کا جنازہ اعزاز کے ساتھ رکھا گیا تھا۔

۳ـــــ غیر ملکی ملکیت کے انجنیرنگ کارخانے جو انقلاب سے پہلے روس میں موجود تھے جنھیں انقلاب کے بعد قومیا لیا گیا اور نیا نام دے کر ان میں کافی توسیع ہوئی۔

۴ـــــ ییلی سیفٹ، بہت پرانا اناج کا بیوپاری۔ جس کی روس کے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی دکانیں تھیں۔

۵ـــــ ایوانوو۔ وُوزنے سنسک کپڑے کے کارخانوں کا بڑا مرکز، جہاں بڑی بڑی ہڑتالیں اور انقلابات برسوں تک ہوتے رہے۔

۶ـــــ سٹینکا ریزن سترہویں صدی کے دوران کسانوں کی بغاوت کا لیڈر۔

۷ـــــ فرانسیسی وزیر اعظم تھائرز (طاہر) اور جنرل گیلی فٹ (گالفٹ) جنہوں نے ۱۸۷۱ء میں پیرس کمیونوں کے خلاف فوجی کارروائی کی۔

۸ـــــ پری لکاسے۔ پیرس کا قبرستان جہاں کمیونیے دفن ہیں۔

۹ ——— الیکسانڈر اُلیالوف۔ لینن کا بڑا بھائی جو نارودنیا والیا انقلابی جماعت کا ممبر تھا۔ اور زار کے قتل کے الزام میں گرفتار ہوا۔ کورٹ مارشل کے بعد شلیسل برگ (شیلسبرگ) کے قلعہ میں پھانسی پر لٹکا یا گیا۔ یہ وہی واقعہ ہے جہاں اَن گنت روسی انقلابیوں کو سزائیں ملیں۔

۱۰ ——— مارکسٹ ورکروں کی ایک پرانی تنظیم کا نام جو کمیونسٹ پارٹی کی پیش رو تھی۔

۱۱ وہ شاہراہ جہاں سیاسی مجرموں کو ماسکو سے سائبیریا بھیجا جاتا تھا۔

۱۲ ——— سماج وادی (سوشلسٹ انقلابی پارٹی) ایک سرمایہ دارانہ ذہنیت والی تنظیم جو انفرادی تشدد کا پرچار کرتی تھی۔ اکتوبر انقلاب کے بعد یہ سوویت حکومت کے خلاف ایک سازشی ٹولہ بن گئی۔

۱۳ ——— ر۔ک۔پ (ب) روسی کمیونسٹ پارٹی (بالشویک) یہ نام ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۵ء تک مستعمل رہا۔

۱۴ ——— گیپن ۹ر جنوری ۱۹۰۵ء کے روز جب سینکڑوں آدمی پولیس کے ہاتھوں جاں بحق ہوئے اور پادری گیپن بہت سے مظاہرین کا رہنما بن کر زار کو ایک عرضداشت پیش کرنے گیا۔ دراصل پولیس کے حمایتی ورکروں سے یہ اسٹنٹ رچایا گیا تھا جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ زار کو ورکروں کی خستہ حالت کا کوئی علم نہیں۔

۱۵ ——— مکڈن توشی ما۔ ۵-۱۹۰۴ء کی روسی جاپانی جنگ کے وہ مقامات جہاں زار کی بحری اور بری افواج کو جاپانیوں نے شکست دی تھی اور یہ واقعہ باقی ماندہ واقعات کی طرح ایک بڑا سبب تھا اس انقلاب کا جو ۱۹۰۵ء میں رونما ہوا۔ اور جس سے سلطنت کے زوال کا بھید کھلا۔

۱۶ ——— پریسنیا۔ ماسکو کا وہ صنعتی ضلع جہاں پہلے پہل ۱۹۰۵ء کے دوران گلی گلی لڑائی ہوئی۔

۱۷ ——— ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو زار نے ایک مینی فیسٹو جاری کیا جس میں چند شہری حقوق دینے کا وعدہ تھا، جو دراصل عوام کے غصّے کو دُور کرنے کی ایک چال تھی۔

۱۸ ——— ایڈمرل دُباسوف۔ سینٹ پیٹرز برگ کا گورنر جنرل جس نے باغی ورکروں کے خلاف مہمات کی سربراہی کی تھی۔

۱۹ ——— چیکا۔ غیر معمولی کمیشن جس نے زرژنیسکی کی رہنمائی میں سوویت حکومت کے پہلے چند برسوں میں انقلابی سازشوں کو کچلنے کا کام کیا۔

۲۰ ـــــــ وہ دانشور طبقہ جنہوں نے پہلے انقلاب کی حمایت کی تھی۔ مگر انقلاب کی شکست کے بعد جی چھوڑ بیٹھے اور جہاد کے تشددانہ اصولوں کو ترک کر دیا۔ اور خدا پرستی میں محو ہو کر خدا کی تلاش میں کھو گئے۔

۲۱ ـــــــ جارجی پیلیخانوف مشہور مارکسی عالم اور ادیب جس نے ۱۹۰۵ء میں لینن کا ساتھ چھوڑ دیا اور دائیں بازو کی جماعت روسی سوشلسٹ ڈیموکریسی میں منشی وِک گروہ کو جنم دیا۔ جو ایک موقع پرست گروہ تھا۔

۲۲ ـــــــ پولتاوا (یوکرین) اور پلیونا (بلغاریہ) کے ان شہروں کے نام جن کے قریب ۱۷۰۹ء اور ۱۸۷۷ء میں روسی افواج کو بڑی بڑی لڑائیوں میں کامرانی نصیب ہوئی۔

۲۳ ـــــــ ضِمروالڈ۔ سوئیٹزرلینڈ کا وہ شہر جہاں ۱۹۱۵ء میں بین الاقوامی سوشلسٹ کانفرنس ہوئی، جس میں سامراجی جنگ کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا گیا۔

۲۴ ـــــــ ولیم قیصر ثانی جرمن بادشاہ۔

۲۵ ـــــــ نیوسکی پراسپیکٹ۔ پیترُوگراد کا مرکزی شارع عام۔

۲۶ ـــــــ ملیاکوف۔ عبوری حکومت کا وزیر المعروف دردانلیسکی (درّہ دانیال سے ماخوذ) جس نے جنگی پروپیگنڈہ میں حصہ لیا۔ ۱۹۱۷ء میں اس نے دیگر بہت سے عہدیداروں کی مانند بڑھتی ہوئی عوامی تحریک کو بے رحمی سے کچلنے کی کوشش کی۔

۲۷ ـــــــ بورس ساوِنی کوف۔ سوشلسٹ انقلابی پارٹی کے سازشی لیڈر جس نے انقلاب کے بعد کئی جوابی انقلابی سازشیں کیں۔

۲۸ ـــــــ منشی وِک۔ روسی سوشلسٹ ڈیموکریٹک لیبر پارٹی کا ایک موقع پرست گروہ جو ایک مسکین بلی کا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ ایک ایسی روایتی بلی جو بول سکتی ہے اور کہانیاں سنا سکتی ہے۔

۲۹ ـــــــ لیٹنی پراسپیکٹ۔ پیترگراد کی ایک بڑی گلی۔

۳۰ ـــــــ شی سینسی کایا۔ میرنسکی تھیٹر کے کلاکاروں کا گروپ جو زار کا چہیتا تھا اور زار کے اس محل میں قائم تھا جو اس نے اس گروپ کو تحفے میں دیا تھا۔ بعد ازاں انقلابی عوام نے اس پر قبضہ کر لیا۔

۳۱ ـــــــ ۳، ۴ جولائی ۱۹۱۷ء کو پیترُوگراد کے ورکروں کے سپاہیوں اور ملاحوں نے ایک

پُرامن مظاہرہ کیا، اور یہ مطالبہ کیا کہ مکمل طاقت سوویت ہاتھوں میں منتقل کی جائے لیکن عبوری حکومت کے حکم سے گولی چلا کر اسے تتر بتر کر دیا گیا۔

۳۲ ـــــ کرنیسکی اے۔ ایف سوشلسٹ انقلابی جو جولائی ۱۹۱۷ء سے بورژوا عبوری حکومت کا سربراہ تھا۔ اگست ۱۹۱۷ء میں کرنیسکی نے لینن کی گرفتاری کے احکام جاری کیے اور خفیہ طور پر اس کے قتل کی سازش کی۔

۳۳ ـــــ زینووئیف۔ جی۔ وائی۔ جو روسی سوشل ڈیموکریٹک تحریک میں ۱۹۰۱ء میں شامل ہوا۔ آر۔ ایس۔ ڈی۔ ایل۔ پی۔ کی دوسری کانگریس ۱۹۰۳ء کے بعد بالشویکوں سے آملا۔ انقلاب کے بعد پارٹی کے مخالف گروپ ٹراٹسکی۔ زینووئیف بلاک کا سرگرم رکن رہا اور ۱۹۲۴ء میں مخالفت کی بنا پر پارٹی سے نکال دیا گیا۔

۳۴ ـــــ سمولینی۔ وہ تاریخی عمارت۔ جو پیٹروگراد (اب لینن گراد) میں واقع ہے۔ اور جو اکتوبر انقلاب میں سوویت پارٹی کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

۳۵ ـــــ ٹراٹسکی۔ ایل۔ ڈی۔ روسی سوشل ڈیموکریسی پارٹی کا مرکزی گروہ کا لیڈر تھا۔ اکتوبر انقلاب سے پہلے بالشویک پارٹی میں شامل ہوا۔ اکتوبر انقلاب کے بعد کئی کلیدی عہدوں پر فائز رہا۔ پارٹی کے مرکزی کمیٹی کے پولیٹکل بیورو اور کانسٹن ایگزیکٹو کمیٹی کا ممبر تھا۔ ۱۹۲۰ء میں پارٹی کی جنرل کی پالیسی اور لینن کی سوشلسٹ تعمیری پروگرام کے خلاف چلنے والے گروپ کی سربراہی کرنے لگا۔ ۱۹۲۷ء میں ٹراٹسکی کو پارٹی سے نکال دیا گیا، اور ۱۹۲۹ء میں اسے اینٹی سوویت سرگرمیوں کے باعث روس سے جلاوطن کر دیا گیا اور سوویت شہریت سے محروم کر دیا گیا۔

۳۶ ـــــ " ارورہ " مشہور بحری جنگی جہاز، جس کے سلاو عملے نے انقلاب کے آغاز کا بگل بجایا تھا۔

۳۷ ـــــ دُخونن اور کارنیلوف۔ (سفید جرنیل) گوچکوف۔ بورژوا عبوری حکومت کا وزیر ـــــ اس سازش کا لیڈر جس کا مقصد فوری انقلاب کو روکنا تھا۔

۳۸ ـــــ کسان مزدور حکومت کے قیام کا فیصلہ امن اور زمین کے متعلق احکامات جو پہلے پہل انقلابی افسران نے جاری کیے۔

۳۹ ـــــ نئی نئی سوویت حکومت کو مجبوراً جرمنوں کے ساتھ برلیسٹ کا عہد نامہ کرنا پڑا، جو فقط نومبر ۱۹۱۸ء تک رہا۔ جب کہ جرمنی میں ایک انقلاب کے ذریعے قیصر' حکومت کا

تختہ الٹ دیا گیا۔

۴۰ ــــــ خانہ جنگی کے کارٹون جن میں امپریلزم کو ایک اَن گنت سروں والے دیو کی شکل میں دکھایا گیا، جو سوویت ری پبلک کو نگلنے والا ہے۔

۴۱، ۴۲، ۴۳۔ سب سے پہلے جنوب کی طرف سے سفید گارڈ نے جنرل ڈینی کن کی سرکردگی میں حملہ کیا۔ اس کی شکست کے بعد کریمیا سے بیرن نیگل یوکرین سطح مرتفع کی جانب بڑھا۔ ایڈمرل کولچک سائبیریا سے سفید فوجیں لایا۔ دیگر ممالک سے ہتھیاروں اور پیسے کی مدد لے کر یکے بعد دیگرے انہوں نے سوویت ری پبلک کو لتاڑنے کی کوشش کی، جس کے نتائج ہم سب جانتے ہیں۔

۴۴ ــــــ اس خوش فہمی کی طرف اشارہ ہے، جب انقلابی کاپلن نے لینن کی جان لینے کی کوشش کی۔ جب اگست ۱۹۱۸ء میں مکلسن انجینئرنگ ورکس ماسکو میں لینن ایک مزدور کی ریلی کو خطاب کر کے واپس جا رہے تھے۔

۴۵ ــــــ امیر کسان جو بندھوا مزدوری کا استحصال کرتے تھے۔ خانہ جنگی کے دوران قحط پڑا۔ لیکن وہ ذخیرہ اندوزی کرتے رہے، اور ان ذخیروں کو سوویت احکام سے چھپائے رکھا۔ اس طرح انہوں نے صورتِ حال کو اور بدتر بنا دیا۔

۴۶ ــــــ لینن نے ایک نئی اقتصادی پالیسی کا اعلان کیا جس میں عارضی طور پر پرائیویٹ تجارت کی چھوٹ دی گئی۔ جس سے اقتصادی بحران دُور کرنے میں مدد ملی۔ تاہم اقتصادیات کی کلیدی پوزیشن حکومت کے ہاتھ میں رہی۔

۴۷ ــــــ مامن توف سفید گارڈ جنرل جو اپنے ظلم کی وجہ سے بدنام تھا۔

۴۸ ــــــ میخائل آیونووچ کالینن۔ لینن کا سب سے پرانا معتقد۔ کل روس سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے چیئرمین جو بعد میں سپریم سوویت پریذیڈم کا چیئرمین بنا۔

۴۹ ــــــ نَدیژدا کانسٹنٹنی نووا کروپسکایا لینن کی بیوی۔ کٹر بالشویک۔

۵۰ ــــــ سپاسکایا۔ کریملن کا گھنٹہ گھر۔

۵۱ ــــــ مُرالوف۔ این۔ آئی نے ۱۹۰۳ء میں پارٹی میں شمولیت کی۔ اکتوبر انقلاب کے بعد زراعت کی عوامی کمسریٹ کے کالج کا ممبر رہا۔ پھر ماسکو فوجی ڈسٹرکٹ کا کمانڈر بنا اور ۱۹۲۷ء میں پارٹی کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے کے باعث پارٹی سے نکال دیا گیا۔

★